قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کے 70 سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

اکتوبر 2013ء

www.toluislam.com

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.66
ISSUE
10

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 04235753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com



جلد 66 شمارہ نمبر 10 اکتوبر 2013ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
فرمودات قائداعظم		3
لمعات: طلوعِ اسلام کی اشاعت کے 70 سال	ادارہ	4
دین کی تبدیلی، مذہب میں	منظور حسین لیل	6
ہر غیر اسلامی نظام عذاب الٰہی ہوتا ہے	خواجہ ازہر عباس	21
نظریۂ ارتقاء	راجہ عبدالعزیز	28
آہ! یوسف علی ضیاء (خان جی) بھی رُخصت ہو گئے	محمد اکرم راٹھور	39
خان جی ـــ یوسف علی ضیاء صاحب	پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی	40
اِیک قندیل ربانی اور بجھی	محمد رشید بٹ	41

ENGLISH SECTION

Surah Al-Muzammil – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 17 Translated by: Dr. Mansoor Alam 44

دفتر کا پتہ B-25 گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

انتظامیہ

ناشر وقائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون

پاکستان میں 30 روپے فی پرچہ

سالانہ-/350 روپے

بیرون ملک 2300 روپے سالانہ

کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا

2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف

پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8 1c

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فرمودات قائداعظمؒ

اپنے میں حوصلہ پیدا کیجیے، موت سے خوف نہ کھائیے ہمارے مذہب نے یہی سکھایا ہے کہ ہمیشہ موت کے لیے تیار رہنا چاہیے، پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لیے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہیے، مسلمان کے لیے اس سے بہتر وسیلہ نجات اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ حق کی خاطر شہید کی موت مرے۔

(جلسہ عام لاہور۔30 اکتوبر 1947ء)

☆——☆——☆——☆

اس وقت میدان سیاست میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ ہورہی ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا، علم غیب تو خدا کو ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علیٰ رؤس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر ثبات و استقامت پر کاربند رہیں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کرسکتا۔

(جلسہ عام حیدرآباد دکن۔11 جولائی 1946ء) (طلوع اسلام۔فروری 1966ء صفحہ 39)

☆——☆——☆——☆

پاکستان کا قیام جس کے لیے ہم گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کررہے تھے اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے، لیکن ہمارے لیے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور سانس لے سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پاسکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جاسکیں۔

(خالق دیناہال کراچی میں خطاب۔11 اکتوبر 1947ء) (طلوع اسلام۔جنوری 1961ء صفحہ 21)

☆——☆——☆——☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ

طلوعِ اسلام کی اشاعت کے 70 سال

پاکستان حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں پر قرآنی اصولوں کی بنیاد پر اسلام کا نفاذ ہو۔ قرآنی نظامِ ربوبیت کس طرح اور کیسے قائم ہوگا یہ بتانے کے لیے علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی خواہش پر طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں کیا گیا۔ قرآن کی تعلیمات اور اس کی لازوال روشنی میں قرآن کا نظام ربوبیت پیش کرنا تاریخِ اسلام کے کسی بھی دور میں آسان کام نہیں تھا اور نہ ہی آج ہمارے دور میں یہ آسان کام ہے۔ اس مشکل کا تجربہ کرنا چاہتے ہوں تو اپنے دوستوں، حلقہ احباب، اہل خانہ اور برادری سے کبھی یہ کہہ کر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص حکم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے یہ پوچھنے پر دیا کہ اللہ کی راہ میں (عوام کی ربوبیت عامہ کے لیے) کون سا مال کھلا رکھیں جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوایا کہ قُلِ الۡعَفۡوَ جو زائد از ضرورت ہو وہ سب کا سب۔ ہم اس حکم کو اللہ تعالیٰ کا خاص حکم اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بہت سے احکام تو از خود یعنی ہمارے پوچھے بغیر دیے لیکن یہ حکم لوگوں کے پوچھنے پر ان کے سوال کے جواب میں دیا کہ ایک کام کرنا چاہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس طرح کریں اس لیے سوال کر کے پوچھ رہے ہیں کہ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ۔ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون سا مال کھلا رکھیں جواب میں فرمایا کہ قُلِ الۡعَفۡوَ کہ جو بچے سب کا سب۔ زائد از ضرورت سب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہوگا۔ کھلا رکھنا ہوگا۔ اپنے دوستوں اور اہل خانہ کے سامنے سوال اور جواب کی صورت میں دیئے گئے اس حکم کو سامنے رکھیے اور پوچھئے کہ کون اس حکم پر عمل کرنا چاہتا ہے؟۔ گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ کوئی اس پر تیار نہ ہوگا۔ یاد رہے کہ اس حکم پر عمل کے لئے قرآنی معاشرہ کا قیام بے حد ضروری ہے۔

محترم علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ نے 1938ء سے لے کر اپنی زندگی کے آخری دنوں تک اسلامی تعلیمات خاص طور پر قرآنی نظام ربوبیت کے بارے میں جو کچھ لکھا مذہب پرست طبقے نے ان کی کھل کر مخالفت کی۔ اس زمانے میں کمیونسٹوں کا زور تھا۔ روس میں 1917ء میں کمیونزم آچکا تھا اور چائنا میں 1948ء میں کمیونسٹ انقلاب آیا تھا۔ مخالفین نے یہ بھی الزام لگایا کہ پرویز صاحب کمیونزم کا پرچار کر رہے ہیں جو سراسر بے بنیاد تھا۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے وہ شمارے جو 1938ء سے لے کر 1942ء تک شائع ہوئے ان میں تحریک پاکستان کی مستند تاریخ موجود ہے۔ 1948ء کے بعد سے لے کر علامہ پرویزؒ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں تک جو مضامین لکھے ان کی حیثیت بھی ایک مستند تاریخ کی ہے۔ ہم آئندہ آنے والے شماروں میں جستہ جستہ آپ کے سامنے وہ تاریخی حقائق پیش کرتے رہیں گے جن کو پڑھ کر آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی کہ پاکستانی مسلمانوں کے مخالفین کی منصوبہ بندی کس طرح صدیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام کے تمام شماروں میں جو گزشتہ 70 سالوں میں شائع ہوتے رہے مستند تاریخی معلومات اور قرآنی تعلیمات کا بیش بہا خزانہ موجود ہے۔ ہم آئندہ طلوع اسلام کے شماروں میں ان کو پیش کرتے رہیں گے۔ تاریخی واقعات پڑھ کر آپ کو پاکستانی قوم کا حال اور پھر مستقبل کے سمجھنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ ستر سالوں پر پھیلی ہوئی تاریخ کو پیش کرنے کے لیے بھی ایک لمبی عمر چاہیے۔

کیا عشق ایک زندگیِ مستعار کا کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا
کر پہلے مجھ کو زندگیء جاوداں عطا پھر دیکھ ذوق و شوق دلِ بے قرار کا

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

منظور حسین لیل۔ بھکر

دین کی تبدیلی، مذہب میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

(آخری قسط)

مذہب اور وحدتِ امت:۔ طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۲۔ ''سیکٹیرین ازم'' سے مراد وہ اختلاف ہوتا ہے جو کسی ایک مذہب کے مختلف فرقوں میں ہو۔ ہم نے اس کا ترجمہ فرقہ واری کیا ہے۔ ''کمیونل ازم'' سے مراد وہ اختلافات ہوتے ہیں جو ایک ملک میں بسنے والے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں ہوں۔ یہ چیز (مثلاً) بھارت میں ہے۔ ہمارے ہاں نہیں۔ ہمارے ہاں ''فرقہ واری'' اور اس سے پیدا ہونے والے اختلافات ہیں۔۔۔ ان اختلافات کو ہوا دینا یا ان کی بناء پر اشتعال انگیزی کرنا، بڑی مذموم حرکت اور جرم ہے۔ اس لئے س کے خلاف ہر بہی خواہِ پاکستان کو آواز بلند کرنی چاہیئے۔ لیکن جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے، جب تک فرقے موجود ہیں، یہ مٹ نہیں سکتے۔ اختلافات تو فرقوں کی بنیاد میں مضمر ہوتے ہیں۔ دنیا کا کون سا مذہب ہے جس میں فرقہ وارانہ اختلافات موجود نہیں۔ اور چونکہ اسلام بھی ایک مذہب بن چکا ہے اس لئے اس میں بھی فرقہ وارانہ اختلافات ناگزیر ہیں۔ انہیں مٹانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ (بجز اس کے کہ یہ مذہب پھر سے دین کی شکل اختیار کر لے، جو بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے)۔ دین، اس کتاب میں ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے ملی ہو اور مذہب انسانوں کا وضع کردہ مسلک ہوتا ہے، خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ مذہب کے مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے، وحدت نہیں پیدا کی جا سکتی۔ اتحاد کے معنی ہوتے ہیں، مختلف جماعتوں، گروہوں، پارٹیوں، فرقوں کا اپنا اپنا جداگانہ تشخص قائم رکھتے ہوئے، کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے متفق ہو جانا۔ اس قسم کے اتحاد کی مثال، ۱۹۷۷ء کی تحریک کے سلسلہ میں ''متحدہ محاذ'' کی شکل میں سامنے آئی تھی۔ اس میں مختلف فرقے، ایک خاص مقصد کے لئے متفق ہوئے تھے لیکن ان کے جداگانہ تشخص بدستور برقرار تھے اور باہمی اختلافات بھی موجود۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ فرقے، متحدہ محاذ کی مجالس میں تو یک جا ہوتے تھے لیکن وہیں جب نماز کا وقت آجاتا تھا تو الگ الگ ٹولیوں میں بٹ جاتے تھے۔ وہ روزہ افطار کرنے کے لئے تو ایک میز پر اکٹھے بیٹھ جاتے تھے لیکن افطاری کے فوری بعد، اُسی لان (سبزہ زار) میں نمازِ مغرب کی مختلف جماعتیں کھڑی ہو جاتی تھیں۔ یہ چیز نہ انہی جماعتوں تک محدود تھی نہ انہی واقعات تک۔ یہ فرقہ وارانہ اختلافات کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ اختلافات آج کے نہیں، صدیوں سے اسی طرح چلے آرہے ہیں۔ اگر نماز، روزہ وغیرہ یا پرسنل لاز میں یہ اختلافات نہ ہوں، تو مختلف

فرقوں کا وجود ہی نہ رہے۔ ان اختلافات پر نہ تو ان سے ناراض ہونا چاہیئے، اور نہ ہی ان کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی ہر کوشش ناکام رہے گی۔ ان کا تعلق ان کے عقائد سے ہے اور عقائد کسی کے چھڑائے، چھوٹتے نہیں۔ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔ اس تمام عرصہ میں، ملت کی طرف سے ان فرقوں میں، یک جہتی پیدا کرنے کے لئے جو مختلف ہمدردانہ کوششیں ہوئی ہیں، وہ اگر کامیاب بھی ہوئی ہیں، تو صرف اتحاد پیدا کرنے کی حد تک۔۔ مذہب میں ہوتا ہی یہی ہے۔

مذہب، فرقہ بندی کا نام ہے:۔ مذہب کے برعکس، ''دین''، (اتحاد کے بجائے) ''وحدت'' پیدا کرتا ہے۔ یہ ایسی اُمت تشکیل کرتا ہے جس میں مختلف افراد، اپنے ہر قسم کے اختلافات (رنگ، نسل، زبان، وطن اور سابقہ مذہبی اختلافات) کو چھوڑ کر، ایک وحدت (Unit) بن جاتے ہیں۔ یہ بھی عقیدہ کی بناء پر ہوتا ہے جسے ایمان کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہ ایمان ہوتا ہے ضابطہء خداوندی کی صداقت پر، جس کے تابع زندگی بسر کرنا یہ اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔۔۔ یعنی ان میں وجہء جامعیت کتاب اللہ کے ساتھ اعتصام یا تمسک ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** ..... (3:103)۔ تم سب کے سب، یکجا ہو کر، کتاب اللہ کو تھامے رکھو اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔'' ''یہ وحدت'' جسموں کے ایک جگہ اکٹھے ہونے سے پیدا نہیں ہوتی، دلوں کے جڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ: **فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا**ۚ (3:103)۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔ بلکہ باہمد گر مدغم کر دیا۔ اور اس طرح تمہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔۔۔ یہ اس کا خصوصی انعام تھا۔'' یہ امت، اُمتِ واحدہ تھی۔ اس میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ دین (بلکہ توحید) اور تفرقہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے اسے شرک قرار دیا ہے (۳۱۔۳۰/۳۰)۔

پرسنل لاز اور پبلک لاز الگ الگ:۔ کچھ عرصہ بعد، اسلام بہ حیثیت دین کے باقی نہ رہا اور اس نے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ دین میں اطاعت صرف ضابطہء خداوندی (کتاب اللہ) کی تھی۔ جس کا فطری نتیجہ اُمت کی وحدت تھی۔ اس کے بعد، اُمت نے مختلف انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت اختیار کر لی۔ اور اس طرح فرقوں میں بٹ گئی۔ وحدتِ امت کی جگہ تفرقہ نے لے لی۔ توحید کی جگہ شرک آ گیا۔ دین، مذہب میں بدل گیا۔ اس کے بعد اسلام کہیں نہ رہا۔ فرقوں میں منقسم مسلمان رہ گئے۔ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی مملکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی مملکت تو ایک طرف، اس صورت میں سرے سے کوئی مملکت ہی قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مملکت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس میں بسنے والے تمام افراد، ایک ضابطہء قوانین کی اطاعت کریں۔ اور فرقے اپنی اپنی فقہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس سے مسلمان سلاطین کے لئے مشکل پیدا ہو گئی۔ انہوں نے اس کا حل یہ تلاش کیا کہ مذہب کو مملکت سے الگ کر لیا۔ مذہب کا نام انہوں نے پرسنل لاز رکھ دیا اور مملکت کا پبلک لاز۔ پرسنل لاز کے سلسلہ میں انہوں نے مختلف فرقوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے اپنے عقیدہ اور مسلک (فقہ) کے مطابق زندگی بسر کریں لیکن پبلک لاز کی اطاعت، بلا تفریق ہر ایک پر لازم ہو گی۔

سیکولرازم:۔اس نظام کو دورِ حاضر کی اصطلاح میں ''سیکولر اسٹیٹ'' کہا جاتا ہے۔یہی نظام اس وقت دنیا میں ہر جگہ (مسلم اور غیر مسلم ممالک میں) رائج ہے۔مذہب پرست طبقہ اس سے مطمئن ہے۔کیونکہ مملکت ان کے ''مذہب'' میں مداخلت نہیں کرتی۔یہ تمام فرقے سیکولر حد تک باہم متفق ہوتے ہیں اور مذہب میں اپنے اپنے اختلافات پر شدت سے قائم۔یہ نقشہ زندگی کے ہر گوشے میں نظر آتا ہے۔اس کی ایک بین مثال دیکھئے۔آپ شام کے وقت انارکلی بازار میں نکل جائیے (یا اپنے شہر کی کسی کاروباری سڑک پر) اس میں آپ کو مسلمانوں کا ہجوم نظر آئے گا جن میں باہمی اختلاف کی کوئی علامت تک دکھائی نہیں دے گی۔لیکن عین اس وقت جب مساجد سے اذان کی آواز آئے گی تو یہی ہجوم، مختلف گروہوں میں بٹ کر، الگ الگ مساجد کا رخ کرے گا۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ پھر سیکولر دنیا (بازار) میں آئیں گے تو ان کے اختلافات مٹ جائیں گے۔۔۔اس سے بین تر ایک اور مثال۔۔مملکتِ پاکستان نے زکواۃ کا قانون، اسلامی شریعت کی حیثیت سے نافذ کیا تو اس میں فرقہ وارانہ اختلاف پیدا ہو گیا اور حکومت کے اقدام کے خلاف سخت احتجاج اور مظاہرہ ہوا۔لیکن انکم ٹیکس کے قانون کے خلاف نہ کوئی احتجاج ہوا، نہ مظاہرہ۔اسے تمام فرقے بلا حیل و حجت تسلیم کرتے رہے، اور تسلیم کر رہے ہیں۔یہ اس لئے کہ انکم ٹیکس کا تعلق سیکولرازم سے ہے اور زکواۃ کا تعلق مذہب سے۔۔۔یہ جو ہم نے کہا تھا کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی مملکت قائم نہیں ہو سکتی تو یہی واقعہ اس کی بھی بین شہادت ہے۔جب تک زکواۃ کا تعلق پرسنل لاز سے تھا، کسی کی طرف سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہوتی تھی۔جونہی مملکت اسے پرسنل لاز کے زمرہ سے نکال کر، پبلک لاز کے دائرہ میں لائی، فرقہ وارانہ اختلافات ابھر آئے۔اور انہوں نے اس حد تک شدت اختیار کی کہ مملکت کو اسے پھر سے پرسنل لاز کے دائرے میں داخل کرنا پڑا۔اگر مملکت اسے مذہبی شکل نہ دیتی اور اسی حساب سے کوئی ایڈیشنل ٹیکس عائد کر دیتی تو کسی فرقہ کو اس پر اعتراض نہ ہوتا۔زکواۃ کے لئے مذہبی قانون اور انکم ٹیکس کے لئے مملکتی قانون۔یہ سیکولرازم ہے۔۔۔ان تصریحات سے واضح ہے کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی مملکت قائم نہیں ہو سکتی۔اس کی وجوہات ظاہر ہیں:۔

مذہب، سیکولر ہوتا ہے:۔(۱)۔فرقوں کی موجودگی میں آپ کو پرسنل لاز اور پبلک لاز کو الگ الگ رکھنا ہوگا۔اور اس قسم کی تفریق سیکولرازم ہے۔(۲)۔اگر آپ پبلک لاز میں کسی ایسے قانون کو شامل کریں گے جسے آپ اسلامی کہیں، تو وہ کسی نہ کسی فرقہ کی فقہ پر مبنی ہوگا۔دوسرے فرقے اس کی مخالفت کریں گے۔اس لئے کہ وہ اسے اسلامی تسلیم ہی نہیں کرتے۔فقہی قوانین، اس خاص فرقہ کے نزدیک اسلامی ہوتے ہیں۔تمام فرقوں کے نزدیک اسلامی نہیں ہوتے۔۔اور جن قوانین کو تمام امت اسلامی تسلیم نہ کرے، انہیں اسلامی کہا ہی نہیں جا سکتا۔۔۔اور تمام امت صرف ان قوانین کو اسلامی تسلیم کر سکتی ہے جن کے سرچشمہ کو تمام امت اسلامی تسلیم کرے۔اور وہ خدا کی کتاب کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا۔فرقوں کی موجودگی میں یہ کیفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔۔فرقوں کی موجودگی میں جسے اسلامی تبلیغ، اسلامی نظام، اسلامی معاشرہ، اسلامی خدمت کہا جاتا ہے وہ فرقہ وارانہ اختلاف کی گرہیں مضبوط کرتا ہے۔

مذہب اور الگ الگ مساجد:۔قرآن کریم نے مدینہ میں تعمیر ہونے والی جداگانہ مسجد کو کفر سے کیوں تعبیر کیا تھا۔اور اسے ''خدا

اور رسول'' کے دشمنوں کی پناہ گاہ کیوں قرار دیا تھا؟۔اس لئے کہ قرآن کے الفاظ میں،اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوتا تھا۔ (تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ 9:107)۔دین میں مساجد کی خصوصیت یہ بتائی گئی تھی کہ: اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (72:18)۔ ''مساجد خدا کے لئے مختص ہیں۔تم انہیں خدا کے سوا کسی کی طرف منسوب نہ کرو'' یہ شرک ہوگا۔یہاں ہر مسجد کے باہر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ مسجد کس فرقہ کی ہے۔اور اس طرح کی مساجد میں نت نئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ان مساجد کا بڑے فخر اور مسرت سے افتتاح ہوتا ہے اور اسے دین کی خدمت قرار دیا جاتا ہے۔فرقوں کی موجودگی میں کوئی مسجد بھی خالصتاً اللہ کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔۔۔یاد رکھئے! مذہب کا جس قدر فروغ ہوگا،اسلام کا اسی قدر انحطاط ہوگا۔اور جب کسی ملک میں، مذہب مملکتی حیثیت اختیار کرے گا تو وہاں دین جھانک بھی نہیں پائے گا۔اسلام کا احیاء اور دین کا تمکن اُسی مملکت میں ہو سکے گا جہاں فرقوں کا وجود نہ ہو اور ساری کی ساری امت،ایک ضابطہء خداوندی (قرآن مجید) کی اطاعت کرے۔''

☆.....☆.....☆

مذہب اور تھیا کریسی:۔طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۳ء۔ص۔۱۵۔۵:۔''ہماری تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ مذہب کے نام سے جو تحریک بھی اٹھی اُس سے قرآن ایک قدم اور پیچھے چلا گیا۔عباسیوں کے دور میں تدوین حدیث کی تحریک نمایاں ہوئی تو عقیدہ یہ وضع ہوا کہ وحی ساری کی ساری قرآن میں نہیں۔قرآن میں صرف ایک قسم کی وحی ہے (یعنی وحیء جلی) اور دوسری قسم کی وحی (وحیء خفی) احادیث میں ہے۔چنانچہ اُنہیں۔مثلہٗ معہٗ۔(قرآن کی مثل۔قرآن کے ساتھ) قرار دیا،اور اس کے بعد کہا گیا کہ اگر کسی معاملہ میں قرآن اور حدیث میں اختلاف یا تضاد ہو تو حکم حدیث کا تسلیم کیا جائے گا اور قرآن کا حکم منسوخ مانا جائے گا۔اس طرح حدیث نے قرآن کی جگہ لے لی۔۔۔فقہ آئی تو اس نے کہا کہ قرآن اور حدیث دونوں اس کے اندر آ گئے ہیں۔اس لئے یہ ان دونوں پر حاکم اور قاضی ہے۔چنانچہ فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مسلّم امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخیؒ کا قول ہے کہ:۔''ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں،وہ یا تو ماوّل ہے یا منسوخ۔اور اس طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماوّل یا منسوخ ہے۔'' (تاریخ فقہ اسلامی۔ علامہ محمد الخضری مرحوم)۔یہ فقہ عباسیوں کے دورِ ملوکیت میں مدون ہوئی تھی،اس لئے اس کا اُس ماحول سے متاثر ہونا فطری تھا۔پھر یہ کتنی ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو،بہرحال انسانوں کی مرتب کردہ تھی۔اس لئے اس میں سہو و خطا کا امکان تھا۔لہٰذا،یہ قرآن کی طرح ابدی اور غیر متبدل نہیں ہو سکتی تھی۔لیکن اس کے متعلق عقیدہ یہ وضع کیا گیا کہ یہ ابدی بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام سمٹ سمٹا کر فقہ کے اندر آ چکا ہے۔جس میں نہ فکر و تدبر کی گنجائش ہے نہ کسی قسم کی اصلاح و ترمیم کا امکان۔اس سے قرآن ہی عملاً مفقود نہیں ہوا،اسلام بھی دین کے بجائے مذہب بن کر رہ گیا۔وہی مذہب جس کی (ہندوستان میں مبینہ) آزادی کے دعویٰ کی بناء پر ان علماء کا موقف یہ تھا کہ اسلام کے احیاء کے لئے الگ مملکت (پاکستان) کی ضرورت نہیں۔۔۔محترم جنرل ضیاء الحق برسرِ اقتدار آئے تو وہ مذہبی آدمی تھے،اور فقہ حنفی کے پابند۔اس سے،اس فقہ کے لئے مملکت کا قانون بن جانے کا راستہ ہموار ہو گیا۔جب کوئی

مملکت، مذہب کو اپنا آئین قرار دے لے تو وہ مذہبی پیشوائیت کی دست نگر ہو جاتی ہے۔ اسی کو تھیا کریسی کہتے ہیں۔

مذہبی پیشوائیت کا کردار:۔ دین میں، مملکت، قرآن کریم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، امت کے مشورہ سے، جزئی قوانین خود مرتب کرتی ہے (انہی کو قوانینِ شریعت کہا جاتا ہے) اسی لئے اسے، شریعت کا حکم معلوم کرنے کی نہ ضرورت پیش آتی ہے نہ کسی کی احتیاج ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے جو دین کی حکومت میں مذہبی پیشوائیت کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ لیکن مذہب میں، مملکت کو مذہبی پیشوائیت سے پوچھنا پڑتا ہے کہ معاملہ زیرِ نظر میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مذہبی حکومت میں، نہ حکومت کو اس کی آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی معاملہ کے متعلق غور و فکر کے بعد فیصلہ دے سکے کہ وہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔ اور نہ ہی علماء کو اس کی آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ از خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔ حکومت اس کی پابند ہوتی ہے کہ وہ ہر معاملہ کے متعلق علماء سے دریافت کرے کہ اس کے لئے شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور یہ (علماء) حضرات اس کے پابند ہوتے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ اس باب میں کتبِ فقہ میں کیا لکھا ہے۔ اس لئے اس نظام میں غور و فکر کی صلاحیتیں مسلوب ہو جاتی ہیں۔ (یہ وجہ تھی جو مودودی مرحوم نے کہا تھا کہ فقہ نے اسلام کو منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا ہے)۔ اس سے فکر و تدبر کی صلاحیتیں، اربابِ اقتدار یا ارکانِ مذہب ہی کی سلب نہیں ہو جاتیں، بلکہ ساری قوم کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ (مثلاً) جب یہ سوال سامنے آئے کہ کوئی مسلمان ہونے کے بعد، اپنی آنکھ کا عطیہ دے سکتا ہے یا نہیں کہ اسے کسی نابینا کی آنکھ میں پیوست کر دیا جائے، تو اس پر نہ عقل و فکر کی رو سے (On Merit) گفتگو کی جا سکتی ہے نہ ڈاکٹری نقطۂ نگاہ سے۔ جب گوشۂ مذہب کی طرف سے آواز آ جائے کہ ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے، تو اس کے بعد نہ آپ عقل و فکر کی رو سے کچھ کہہ سکتے ہیں نہ حکومت کچھ کر سکتی ہے!۔ یہ ہے تھیا کریسی!۔ یہ حضرات اربابِ حکومت کو باور کراتے (بلکہ یقین دلاتے) رہتے ہیں کہ ہمارے بتائے ہوئے جو احکام آپ نافذ کر رہے ہیں وہ خود خدا کے احکام ہیں۔ چنانچہ جب جنرل ضیاء الحق صاحب نے حدود سے متعلق قوانین نافذ کئے تو مودودی (مرحوم) نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ:۔ ''اب ہمارا یہ فریضہ ہے کہ عوام الناس کو یقین دلائیں کہ اب یہاں خدا کا قانون جاری کیا جا رہا ہے۔'' (ترجمان القرآن بابت اپریل ۱۹۷۹ء۔ ص۔۱۳)۔ (معاذ اللہ)۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک اعلان بھی شائع کیا تھا جو ایشیاء بابت ۱۱۔ فروری ۱۹۷۹ء۔ ص۔۹۔ پر چھپا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:۔ ''انسانی قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور چیز ہے اور خدائے تعالیٰ اور رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا بالکل ہی دوسری چیز ہے۔ اس سے تو آدمی کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور وہ خدا کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے۔'' اس طرح یہ حضرات اربابِ اقتدار کے دل میں یہ خیال راسخ کر دیتے ہیں کہ اُن کے احکام، خدا اور رسول ﷺ کے احکام ہیں۔ اور انہیں باور کرا دیتے ہیں کہ وہ ''مامور من اللہ'' ہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ حدود سے متعلق جو احکام نافذ کئے گئے تھے، ان کے متعلق محترم صدرِ مملکت (ضیاء الحق) نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ ناممکن العمل ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ انہیں واپس لیا، نہ ان میں کوئی ترمیم کی۔ بلکہ وفاقی شرعی عدالت نے جب ''رجم'' کے قانون کو خلافِ شریعت قرار دیا تو انہوں نے عدالت کو اس پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے کہا اور مطمئن نہ ہوئے جب تک اس

(نئی) عدالت نے فیصلہ نہ دے دیا کہ وہ مطابق شریعت ہے۔ یہ اس لئے کہ صدرِ محترم کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ یہ احکام خدا کے احکام ہیں جن میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ ہم نے جو کہا ہے کہ صدرِ مملکت کو یقین دلا دیا گیا تھا کہ یہ احکامِ خداوندی ہیں، تو یہ اس لئے کہ صدرِ مملکت نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ علومِ شریعت کے ماہر ہیں۔ اس لئے انہیں لامحالہ ان حضرات کے فیصلہ کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔'' آگے چل کر لکھا ہے: ''مذہب کی پیدا کردہ ایک اور خرابی اس سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ دین کے پروگرام کے کچھ عناصر ہوتے ہیں جو اس کے پیشِ نظر مقاصد کے بروئے کار لانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ صلوٰۃ، قرآن کے الفاظ میں، معاشرہ میں برائیوں اور بے حیائیوں کا سدِ باب کر دیتی ہے۔ وہ معیشت میں اجتماعیت پیدا کر دیتی ہے۔ رزق کے راستے میں کسی نے جو بند لگا رکھے ہوں، وہ انہیں توڑ ڈالتی ہے۔ صوم (روزہ) قوم کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ نظامِ خداوندی کو انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب کر دے۔ حج کا اجتماع، پوری نوعِ انسانی کو دعوت دیتا ہے کہ وہ آ کر دیکھیں کہ نظامِ خداوندی اُن کی منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ قرآن کریم کی تعلیم کی پیروی (تلاوت) سے ہوتا ہے۔ (تلاوت کے بنیادی معنی پیروی کرنے کے ہوتے ہیں)۔''

ظواہر پرستی: ۔طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۳ء۔ص۔۳۰۔ ''دین کے نظام میں نماز، روزہ، حج وغیرہ وہ ذرائع تھے جن سے دین کا مقصود حاصل ہونا تھا۔۔۔یعنی مساواتِ انسانیہ اور احترام آدمیت کا مقصدِ عظیم۔ لیکن مذہب میں یہی چیزیں مقصود بالذات بن گئیں۔۔نتیجہ اس کا یہ کہ اب زور نماز، روزہ وغیرہ کی ظاہر اور رسمی ہیئت کی اہمیت پر دیا جاتا ہے اور اس مقصد کو سامنے لایا ہی نہیں جاتا جس کے حصول کا یہ ذریعہ تھے۔۔اس کے برعکس، قرآن کو دیکھئے تو وہ سارا زور مقصد پر دیتا ہے۔ غور سے سنئے کہ وہ اس باب میں کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

''نیکی اور کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ نیکی کی راہ اس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر، اس کے قانونِ مکافاتِ عمل کے لئے حیاتِ آخرت پر۔ ملائکہ پر، ضابطہء خداوندی پر۔ اور ان انبیاء پر جن کی وساطت سے یہ ضوابطِ خداوندی دنیا کو ملے۔۔ان امور پر ایمان لائے اور پھر مال کی محبت کے باوجود اسے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دے جو اس کے قرب وجوار میں (رشتہ داروں میں) محتاج ہوں۔۔جو معاشرہ میں تنہا رہ گئے ہوں۔ جن کا چلتا ہوا کاروبار رک گیا ہو یا ان میں کام کرنے کی استطاعت نہ رہے۔ یا ایسے مسافر جن کے پاس زادِ راہ نہ رہے۔ یا وہ جن کی کمائی ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی نہ ہو۔ یا جو لوگ دوسروں کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں، انہیں آزاد کرانے کے لئے اپنی فاضلہ دولت کو وقف کر دیں۔ نیکی کی راہ اُن لوگوں کی ہے۔۔۔الخ (۲/۱۷۷)۔''

ایمان کی اہمیت: ۔اس مقام پر ایک ثانیہ کے لئے رک کر، ایک اہم نکتہ کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس آیہء جلیلہ میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اصل نیکی کا کام یہ ہے کہ تم دوسروں کی مدد کے لئے اپنا مال کھلا رکھو۔ لیکن اس کے ساتھ ایک اہم شرط بھی عائد کر دی ہے اور وہ یہ کہ تم دین کے اساسی عناصر پر ایمان لاؤ۔ سوال یہ ہے کہ ایمان کی اہمیت کیا ہے؟۔ اور اس کے بغیر خود مال کا دینا

بھی نیکی کا کام کیوں نہیں قرار پاتا۔۔۔ایمان، درحقیقت وہ آئیڈیالوجی، وہ نظریہ، ہے جو زندگی کا صحیح تصور عطا، اور اس کا نصب العین متعین کرتا ہے۔ یہ آئیڈیالوجی ہی ہے جس کی بنیادوں پر اعمالِ انسانی کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ یہی، کسی کام کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار بنتی ہے۔ اسی کے مطابق انسانی اعمال اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ انسانی عمل کا جذبہء محرکہ ہی اس کا ایمان (آئیڈیالوجی) ہوتا ہے۔ اور یہی اس کے لئے صحیح اقدارِ حیات متعین کرتا ہے۔ اقدار (Values) نہ ہوں تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب زندگی کو محض آب وگل کا کھیل سمجھا جائے اور موت کو اس کا انجام، تو انسانی زندگی، حیوانی سطح سے بلند نہیں ہوتی۔ یہ صحیح آئیڈیالوجی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اشتراکیت جیسا معاشی نظام، جو سرمایہ داری کے مقابلہ میں کہیں انسانیت ساز ثابت ہوسکتا تھا، پروان نہیں چڑھ رہا، نہ کبھی پروان چڑھ سکے گا۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن، ایمان (آئیڈیالوجی یا صحیح نظریہء حیات) کو اپنے معاشی نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے۔۔دوسری بات یہ ہے کہ جو اقتدار یا نظام، نظریہء حیات یا اقدار کے بجائے اشخاص سے وابستہ ہو، اس کی عمر، شخص متعلقہ کی عمر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ نظریہ پر مبنی نظام، اشخاص کا محتاج نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اقدار قائم رہیں وہ نظام بھی قائم رہتا ہے۔ یہی وہ عظیم اصولی حقیقت تھی جس کی وضاحت کے لئے کھلے الفاظ میں کہہ دیا گیا تھا کہ۔۔:۔ وما محمدٌ الا رسول''۔ قد خلت من قبلہ الرسل۔ افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (۳/۱۴۴)۔ ''یعنی، اور تو اور، خود محمد ﷺ بھی بجز ایں نیست کہ اللہ کے ایک پیغمبر ہیں۔ اُن ﷺ سے پہلے بھی خدا کے پیغامبر آتے رہے اور اپنی عمر پوری کرنے کے بعد دنیا سے چلے جاتے رہے۔ تو کیا اگر کل کو یہ بھی قتل کر دیئے جائیں، یا وفات پا جائیں، تو تم یہ سمجھ کر کہ دین کا نظام صرف ان ﷺ کی ذات سے وابستہ تھا، پھر اپنے نظامِ کہن کی طرف لوٹ جاؤ گے؟''۔ اور اس کی تشریح خلیفہء رسول ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس طرح فرمائی کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اُمت میں کہرام مچ گیا تو آپ ؓ نے حاضرین کو مخاطب کیا اور اُن سے کہا کہ اس بات کو غور سے سن لو کہ جس شخص نے محمد ﷺ کی عبودیت اختیار کر رکھی تھی وہ سمجھ لے کہ اُس کا معبود مر گیا ہے۔ لیکن جو خدا کا عبد تھا اسے اطمینان رکھنا چاہیئے کہ اُس کا معبود ''حی وقیوم'' ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اس اعلانِ عظیم نے دین کے نظام کو شخصیتوں سے بلند لے جا کر اقدار و نظریات کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہ نظام اس وقت بگڑا جب مسلمانوں نے قرآنی نظریہء زندگی کو چھوڑ کر غیر قرآنی نظریات و تصورات کو اختیار کر لیا۔ اور سارا زور شخصیتوں پر دینے لگ گئے یا شخصیتیں سارا زور اپنے آپ کو منوانے پر صرف کرنے لگ گئیں۔''

عبادات وغیرہ مقصود بالذات:۔ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۳ء ص۔۱۵۔۵۔ ''لیکن جب دین، مذہب کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو دین کے مقاصد کے حصول کے یہ تمام ذرائع مقصود بالذات بن جاتے ہیں۔ اگر فقہ کی شرائط کے مطابق نماز ادا کر لی جائے تو صلواۃ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت دیگر ارکان کی ہے۔ ان کی محسوس شکل وصورت کی ادائیگی کر لی جائے تو وہ اطمینان دلا دیتا ہے کہ تم نے فریضہء خداوندی ادا کر دیا۔ اتنا ہی نہیں، وہ ان میں سے ایک ایک کا ثواب اس قدر عطا کرتا ہے کہ انسان کو اپنی نجات و سعادت کے لئے، کچھ اور کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ پہلے تو یہ باتیں وعظوں کے وعظ تک محدود ہوتی تھیں۔ اب ریڈیو اور ٹیلی

ویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ نے ان کا چرچا عام کر دیا ہے۔ ہر روز بتایا جاتا ہے کہ ایک نماز قاعدے کے مطابق پڑھ لی جائے تو اتنے برسوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جمعۃ الوداع کا ایک روزہ عمر بھر کی نیکیوں سے زیادہ گراں بہا ہوتا ہے۔ ایک حج سے ساری عمر کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ جو شخص مسجد بنوا دے، اس کے لئے جنت میں موتیوں کا محل مختص ہو جاتا ہے۔۔

صرف ثواب کی خاطر:۔ قرآن ایک ضابطہء ہدایت تھا، جسے پڑھا اس لئے جاتا تھا کہ اسے سمجھا جائے، اور سمجھنا اس لئے ضروری تھا کہ اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ مذہب نے یہ سکھایا کہ اس کا سمجھنا ضروری نہیں۔ اس کے بلا سمجھے پڑھنے سے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ یعنی ''الم'' (کے تین حروف ہیں۔ اس) کے پڑھنے سے تیس نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس سے پورے قرآن مجید کے (بلا سمجھے، صرف الفاظ کے دہرانے) سے جس قدر ثواب مل سکتا ہے، وہ حد و حساب سے باہر ہے۔ یوں تو اسے سارا سال اسی طرح پڑھا جاتا ہے لیکن رمضان شریف میں یہ (تلاوت) اپنے نقطہء عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ تراویح میں ختمِ قرآن۔ اس کے بعد آخری تین راتوں، بلکہ ایک رات میں شبینہ۔ شبینہ میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں نمازی شریک ہوتے ہیں۔ نہ پڑھنے والے (حافظ) کو علم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں، اس کا مطلب کیا ہے، نہ سننے والے مقتدیوں کو معلوم کہ جو کچھ ہم سن رہے ہیں، اس کے معنی کیا ہیں۔ لیکن اس کے ثواب کی اس قدر داستانیں دہرائی جاتی ہیں کہ لوگ ساری ساری رات کھڑے ہو کر اسے سنتے ہیں۔ اور بار بار سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ شبینہ گاہوں کی تزئین و آرائش پر جس قدر روپیہ صرف کیا جاتا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس سے عوام کے جذبات کی تسکین تو ہو جاتی ہے، لیکن قرآن کے مقصود و منطوق کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی اہمیت اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہے کہ لوگ قرآن کے سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اس کی اسی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک میں ناظرہ قرآن پڑھانے والے مکتب۔ حفظ کرانے والے مدرسے، قرائتیں سکھانے والے دارالعلوم ہر سال کثرت سے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے یہ کچھ خال خال ہوتا تھا۔ اب اس تکرار و اصرار سے ہوتا ہے کہ قوم، جذبات کے سمندر میں غرق رہتی ہے۔ اور اس طرح:۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

کے پروگرام پر پورا پورا عمل ہوتا ہے۔

جرائم کا سبب:۔ اس قسم کی مذہبیت کا ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے۔ اس سے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب کسی کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا جائے کہ یہاں مسجد بنا دینے سے جنت میں موتیوں کا محل مل جاتا ہے تو وہ (حرام۔ حلال کمائی سے) ایک مسجد تعمیر کرا دینے کے بعد مطمئن ہو جائے گا کہ میں اب جو جی میں آئے کروں، جنت میری ملکیت ہو چکی ہے۔ جسے بتا دیا جائے کہ زکوٰۃ دینے سے باقی مال حلال و طیب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد وہ مال جمع کرنے میں جائز و ناجائز کی تمیز کیوں کرے گا؟۔ جسے کہہ دیا جائے کہ حج کرنے سے سابقہ زندگی کے سب گناہ دُھل جاتے ہیں، تو اس کے دل میں گناہوں کی کھٹک کس طرح رہ سکتی ہے؟۔ مساجد کی

تعمیر وتزئین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں مکتبوں، مدرسوں، دارالعلوموں کے لئے عطیات دینے والوں، ہوائی جہاز کے ذریعہ بار بار حج کرنے والوں، خانقاہوں میں نیاز کی دیگیں پکوانے والوں اور مزارات پر طلائی، نقرئی چادریں چڑھانے والوں اور انہیں غسل دینے کے لئے منوں عرقِ گلاب لنڈھانے والوں کی کمائی کا جائزہ لے کر دیکھئے کہ اس میں کس قدر حصہ ''فضلِ ربی'' کا ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کریم نے عذابِ جہنم کے سلسلے میں احبار ورھبان (علماء ومشائخ) اور سرمایہ دار طبقہ کو (آیت نمبر ۹/۳۴) ہم قوس (اکٹھا) کیوں رکھا ہے؟۔ ان دونوں میں کون سا رشتہ ہے جس کی وجہ سے انہیں جہنمی رفیق قرار دیا ہے؟۔ بات واضح ہے کہ مذہبی پیشوائیت کی تائید کے بغیر نہ ملوکیت پنپ سکتی ہے، نہ سرمایہ داری سانس لے سکتی۔ وہی انہیں جنت کی بشارتیں دے کر، ناجائز راستوں پر گامزن رہنے کے لئے، ان کے حوصلے بڑھاتے ہیں۔

جہنمی رفیق:۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو بڑے دلکش محاکاتی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ایک سرمایہ پرست سے، جو جائز وناجائز طریق سے دولت سمیٹتا جاتا تھا، اس کے نیکوکار رفیق نے کہا کہ کیا تمہیں اس کا خیال نہیں آتا کہ تم نے قیامت کے دن اس کمائی کا حساب دینا ہے؟۔ اُس نے کہا:۔ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (18:36)۔ ''اوّل تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ قیامت ویامت یونہی ڈراوے کے لئے ہے، حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوگا''۔ آیت کے باقی حصہ تک جانے سے پہلے، اس کے جواب کے اتنے حصے ہی پر غور کیجئے!۔ کیا ہمارے ہاں کے جائز اور ناجائز طریق سے مال ودولت سمیٹنے والے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن اس کا حساب دینا ہے؟۔ زبانِ قال سے وہ ایسا نہ بھی کہیں، لیکن کیا زبانِ حال سے یہی نہیں کہتے کہ یہ سب افسانے ہیں، حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا؟۔۔۔ اس کے بعد اُس نے کہا:۔ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (18:36)۔ اگر مجھے خدا کے حضور جانا ہی ہوا تو تم دیکھ لینا کہ مجھے وہاں اس دنیا سے بھی بہتر مقام حاصل ہوگا!۔ میں نے اس کا انتظام کر رکھا ہے۔ میں نے صدقہ، خیرات، زکواۃ، نذر نیاز دے کر جنت خرید رکھی ہے۔ مجھے جنت فروش مذہبی پیشوائیت نے اس کی ضمانت دے رکھی ہے۔ اس لئے ہم یہاں بھی عیش کرتے ہیں، وہاں بھی عیش کریں گے!۔ آپ نے غور فرمایا کہ واعظوں کا بخشش اور مغفرت کا دلایا ہوا اطمینان سرمایہ دار کی جراءتیں کس قدر بے باک کر دیتا ہے؟۔ یوں ان کے دل سے محاسبہ کا ڈر اور مواخذہ خداوندی کا خوف نکل جاتا ہے۔۔۔ مذہبی پیشوائیت ہر جگہ یہی کچھ کرتی ہے۔ عیسائی پادری جس طرح معافی ناموں (Indulgences) کے ذریعے جنت بیچا کرتے تھے، اس کی تفصیل ان کے لٹریچر میں عام ملتی ہے۔ وہ جنت فروشی کے سارٹیفکیٹ ہاتھ میں لئے آوازیں لگاتے پھرا کرتے تھے کہ:۔ آؤ! بڑھو۔ جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب بھی داخل نہ ہو سکے تو کب داخل ہوگے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لئے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے؟۔ (مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں۔ ص۔ ۶۸)۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ:۔ ''گناہگار ہر جگہ یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے تھے کہ میں اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ میں خدا کے حضور کتنے گناہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میں ہر وقت، بلا دقت ہر گناہ اور جرم کے لئے معافی نامہ خرید سکتا ہوں۔'' (ایضاً۔ ص۔ ۷۰)۔ اسی

بناء پر (Dr. Inge) نے کہا ہے کہ: ''جس عہد میں کلیسا سیاسی طور پر صاحبِ اقتدار رہا، وہی عہد سب سے زیادہ بدمعاشیوں کے لئے بدنام رہا۔ (ایضاً۔ص۔۷۰)۔ ہم عیسائیت کی اس تاریخ کو پڑھتے ہیں تو ان کی جنت فروشی کا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ خود ہمارے ہاں جنت کتنی سستی بکتی ہے!۔ وہ تو پھر بھی جرم و گناہ کے لئے افراد کی جراءتیں بے باک کرتے تھے، ہمارے ہاں یہ کاروبار قومی سطح پر ہوتا ہے۔ (مولانا) ابوالکلام آزاد مرحوم نے (ترجمان القرآن جلد اوّل۔ص۔۱۰۹ پر) مسلم کی حسب ذیل حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا، لذھب اللہ بکم ولجاء لقوم یذنبون فیستغفرون۔ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم سے سرزد ہی نہ ہو تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے گا۔ اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم لے آئے گا جس کا شیوہ یہ ہوگا کہ گناہوں میں مبتلا ہو، اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت طلب کرے۔'' (یہ اور وہ روایات جن میں ذرا ذرا سی باتوں پر جنت کا اختصاص اور ہزار ہزار نیکیوں کے ثواب کے وعدے دیئے جاتے ہیں، زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ وہ وضعی ہیں، حضور ﷺ ایسا فرما نہیں سکتے تھے)۔۔۔ اس کے بعد آپ انکوائری کمیٹیاں بٹھاتے ہیں، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ قوم میں فسق و فجور کیوں عام ہو رہا ہے اور جرائم اس کثرت سے کیوں پھیل رہے ہیں!۔ جب قوم سے یہ کہہ دیا جائے کہ قربانی کے دنبے کے ہر بال کے عوض سو سو نیکیاں ملتی ہیں، تو نیکیوں کے اس فلک پیما انبار میں جرائم کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے!۔ اور اس پر طرہ، گناہگاروں کے لئے خدا کی بخشش بے پایاں!۔ اس قسم کی یقین دہانیوں کے بعد، گناہوں کی جراءت آموزی اور حوصلہ افزائی کے لئے کچھ اور کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ روایات اور پھر ان پر مبنی ہماری شاعری!۔ الامان والحفیظ!۔

نصیبِ ماست بہشت، اے خدا شناس برو کہ مستحقِ کرامت گناہگار۔۔۔ انند

قرآن کا قانونِ مکافاتِ عمل:۔ اس کے برعکس، دین کی عمارت ہی قانونِ مکافاتِ عمل کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ (خود لفظ ''دین'' کے ایک معنی مکافاتِ عمل کے ہیں)۔ اور یہ قانون اس قدر بے لچک ہے کہ (اور تو اور خود) حضور نبی اکرم ﷺ کا اعلان تھا کہ:۔ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ (6:15)۔ ''میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے خدا کی معصیت کی تو اُس کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا''۔۔ الحاصل۔۔ دین نام تھا قرآن کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولوں کو، علم و عقل کی روشنی میں معاشرہ میں نافذ کرنے کا۔ مذہب میں قرآن اور علم و عقل دونوں شجرِ ممنوعہ قرار پا جاتے ہیں۔ اور خدا پرستی نام رہ جاتا ہے چند الفاظ کے دہرانے اور چند رسومات کے ادا کر لینے سے جنت کا وارث بن جانے کا۔ جب مذہب کسی قوم پر مسلط ہو جائے تو وہ زندہ قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہتی۔ اس میں اِس مذہب یا اُس مذہب کا سوال نہیں۔ مذہب جہاں بھی ہو، اور جس قوم میں بھی ہو، اُس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ تاریخِ عالم پر نگاہ ڈالئے!۔ جو قوم بھی مذہب کی گرفت میں تھی، اُس کا حشر یہی ہوا تھا۔ جب اُس نے مذہب کو چھوڑا تو سانس لینے کے قابل ہوئی۔ آپ دیکھئے!۔ روس۔ چین۔ جاپان۔ یورپ اور امریکہ کے ممالک، حتیٰ کہ ہندوستان۔ جب انہوں نے مذہب کی قبا اتار پھینکی یا اسے پرستش گاہوں کی چار دیواری میں محصور کر دیا تو چاند تک پہنچ گئیں۔ اور

ہمارے مقدسین بند کمرے میں بیٹھ کر، رویتِ ہلال کے فیصلے کرتے رہتے ہیں!۔ یہ انسانیت کی حرماں نصیبی تھی کہ اُن کے پاس ''دین'' نہیں تھا، اس لئے وہ مذہب کو چھوڑ کر، سیکولرازم کا نظام اختیار کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ لیکن انہیں، بہرحال، دنیا تو مل گئی۔ ہم (مسلمان) صدیوں سے مذہب کی گرفت میں ماخوذ چلے آرہے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ، تعداد کے لحاظ سے ہم اتنے کثیر ہیں، جغرافیائی پوزیشن نہایت اہم ہے، مسلم ممالک کی زمینیں قدرتی ذخائر سے مالا مال ہیں۔ یہ سب کچھ ہے، لیکن اس کے باوجود، ہمارا شمار دنیا کی پست ترین قوموں میں ہوتا ہے۔ ہم روٹی تک کے لئے دوسری اقوام کے محتاج ہیں۔ ہم اپنی حفاظت کے لئے اُن کے دست نگر ہیں۔ سپر پاورز کے سامنے ہماری حالت، ایں سوراندہ وآں سودر ماندہ کی ہورہی ہے۔ ہم قرضے لے کر زندگی کے دن پورے کررہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے مذہب پرستی کا!۔ پاکستان کا خطہء زمین، اس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس میں مذہب سے پیچھا چھڑا کر، دین کا نظام قائم کیا جائے تاکہ خدا کے ''انتم الاعلون'' کے وعدے ہمارے حق میں پورے ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے گزشتہ ہزار برس میں جو ملّی جرائم سرزد ہوئے ہیں، ان کی سزا کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ یہاں دین نے تو کیا آنا تھا، ہم پر مذہب کی گرفت پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہوگئی ہے۔ اور اقبال نے ڈرامائی انداز میں ابلیس کی زبان سے جو کہلوایا تھا کہ:۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے　　تابساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

یہ حقیقت محسوس شکل میں ہمارے سامنے آگئی۔ مقامی طور پر ہماری زندگی کے ہر گوشے میں فساد ہی فساد نظر آتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر، ہماری حیثیت بھیک منگوں سے زیادہ نہیں، اس کے باوجود ہمیں یہ کہہ کر مطمئن رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہاں اسلام کا احیاء ہو رہا ہے۔ یاد رکھئے!۔ اسلام کی زندگی یا قوت ماپنے کا پیمانہ اس کے نام لیواؤں کی حالت ہوتی ہے۔ اگر اُن پر مردنی چھارہی ہو تو ان میں اسلام زندہ نہیں کہلاسکتا۔ اسلام کو معیارِ زیست قرار دینے والے (خدا) نے اس کے نام لیواؤں سے کہا تھا کہ:۔ **اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ** (8:24)۔ ''خدا اور رسول کی اس دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں زندگی عطا کردے گی۔'' اُس نے اعلان کیا تھا کہ: **اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی** (36:12)۔ ''ہم مردوں کو زندگی عطا کردیتے ہیں۔'' دین کی علمبردار قوم، زندگی کی قوتوں اور آرائشوں کی حامل تھی۔ یہی اسلام کے زندہ ہونے کی محسوس علامت تھی۔ دین کی حامل قوم خود زندہ ہوتی ہے اور دوسروں کو زندگی کی دعوت دیتی ہے۔ اس کے برعکس، مذہب پرست قوم، اپنی لاش کو کندھوں پر اٹھائے، اس کے کفن کے لئے دوسروں سے بھیک مانگتی پھرتی ہے۔ ایسی قوم سے، غیرت وحمیت کا ایک ہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت اسلام کی طرف نہ کرے۔ کیونکہ اس سے اسلام دنیا میں بدنام ہوجاتا ہے۔ اقبال نے کس آہِ جگرسوز کے ساتھ کہا تھا کہ:۔

تانداری از محمد(ﷺ) رنگ و بو　　از درودِ خود میالا نامِ او(ﷺ) ''

☆.....☆.....☆

پاکستان کا آئین سیکولر ہے:۔ سیکولرازم کا مطلب دنیا سے دین کی علیحدگی ہے۔ اس میں الگ گروہ (فرقہ یا جماعت) بندی کی

اجازت ہوتی ہے۔ دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہر مذہب (فرقہ یا جماعت) کو اپنی الگ مساجد قائم کرنے اور اپنی الگ نمازیں ادا کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔ امت میں الگ الگ مذاہب (شیعہ، سُنی، اہلِ قرآن، اہل حدیث وغیرہ) فرقوں، گروہوں، جماعتوں، اور الگ الگ مساجد اور نمازوں کو تسلیم کر لینا سیکولرازم ہے۔ سیکولرازم میں پبلک لاز اور پرسنل لاز الگ الگ ہوتے ہیں۔ مذہبی پیشوائیت کا وجود لازم قرار پاتا ہے اور مذہبی پیشواؤں کی متوازی حکومت کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پاکستان کا آئین اور موجودہ نظام مکمل طور پر سیکولر ہے۔ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ کے تحت فرقوں کے وجود کو، اور بمطابق فرقہ، قرآن و سنت کی الگ الگ تشریحات کو بھی، صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ۔ پاکستان کے آئین میں اسلامی شقوں کا الگ باب قائم کیا گیا ہے۔ شریعت کورٹ، اسلامی نظریاتی کونسل، وزارت مذہبی امور اور رویتِ ہلال کمیٹیوں کا قیام وغیرہ پاکستان اور اس کے آئین کے سیکولر ہونے کا ثبوت ہے۔ ایک حقیقی اسلامی مملکت میں ان اداروں کے الگ وجود کی نہ گنجائش ہوتی ہے نہ ضرورت۔ وہاں آئین اور سب ادارے ایک وحدت ہوتے اور کتاب اللہ کے تحت کام کرتے ہیں۔

''مسلم جمہوریہء پاکستان'':۔ موءلف کی نظر میں (اگر پاکستان کو ایک اسلامی مملکت نہیں بنایا جا سکتا تو) پاکستان کا آئینی نام ''اسلامی جمہوریہ'' کی بجائے ''مسلم جمہوریہ پاکستان'' ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کی ایک سیکولر مملکت ہے۔ نہ کہ ایک اسلامی مملکت۔ لیکن مملکتِ پاکستان کو ''اسلامی'' کی بجائے ''مسلم'' قرار دینا قرآن کے منشاء کے صریحاً خلاف ہوگا۔ ایسا کچھ سیکولرازم ہوگا نہ کہ اسلام۔ (موءلف)۔

قیامِ وزارتِ مذہبی امور غیر اسلامی ہے:۔ چونکہ اسلام میں دین اور دنیا الگ الگ نہیں ہوتے لہٰذا، ایک اسلامی مملکت میں سب معاملات دینی ہوتے ہیں۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۴ء میں جب وزارتِ مذہبی امور قائم کی تو طلوعِ اسلام نے دسمبر ۱۹۷۴ء کے لمعات میں لکھا کہ:۔

''حال ہی میں مرکزی حکومتِ پاکستان کی کابینہ میں جو ردوبدل ہوا ہے اس میں ایک نئے قلمدانِ وزارت کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا نام ہے۔۔۔ وزارتِ امورِ مذہبیہ۔۔۔ (Ministry for Religious Affairs)۔۔۔ یہ خالصۃً سیکولر نظامِ حکومت کا تقاضا ہے اور اسلامی نظام کے یکسر خلاف۔ دنیاوی اور مذہبی امور میں تفریق و تقسیم وہ ثنویت (Dualism) ہے جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا اور جسے عہدِ رسالت مآب ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں رائج نظام نے عملاً مٹا کر دکھا دیا تھا۔ آپ کو اُس عہد میں ''امورِ مذہبیہ'' کے لئے کوئی جداگانہ شعبہ دکھائی نہیں دے گا۔ اسلامی تصور کی رو سے ساری کی ساری مملکت اسلامی، فلہٰذا، (دورِ حاضر کی اصطلاح کی رو سے) ''مذہبی امور'' سے متعلق ہوتی ہے۔ اس میں چونکہ جملہ امورِ مملکت اسلامی اصول و اقدار کی رو سے طے پاتے ہیں اس لئے اس میں ہر دنیاوی معاملہ دینی (دورِ حاضر کی اصطلاح میں مذہبی) ہوتا ہے۔ اس میں جنگ بھی مذہبی ہوتی ہے، صلح بھی مذہبی۔ (واضح رہے کہ ہم محض سمجھانے کی غرض سے ''دینی'' کی جگہ ''مذہبی'' لکھ رہے ہیں ورنہ اصل لفظ ''دینی'' ہی ہے) اس میں تجارت بھی مذہبی

ہوتی ہے اور اقتصادیات بھی مذہبی۔ اس میں امورِ داخلہ بھی مذہبی ہوتے ہیں اور امورِ خارجیہ بھی مذہبی۔ اس میں جس طرح نماز کا اجتماع مذہبی ہوتا ہے اسی طرح پارلیمان کا اجلاس بھی مذہبی۔ المختصر اس میں، اقبالؒ الفاظ میں ہوتا یہ ہے کہ:۔ از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد۔ دین کی چابی سے دنیا کا ہر دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، سیکولر نظام میں چونکہ دنیاوی امور اور مذہبی امور میں دوئی ہوتی ہے، اس لئے اس میں جہاں دنیاوی امور کے لئے مختلف وزارتیں قائم ہوتی ہیں، ایک وزارت امورِ مذہبیہ کے لئے بھی قائم کر دی جاتی ہے۔ (انگریزی عملداری میں مرکزی حکومت میں ایک جداگانہ محکمہ۔ Ecclesiastical Department۔ ہوتا تھا جس کا تعلق کلیسا کے مذہبی امور سے ہوتا تھا)۔ اسلامی نظام میں، اور تو اور، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ بھی جداگانہ ''مذہبی امور'' نہیں ہوتے۔ یہ بھی اس نظام ہی کے مختلف عناصر ہوتے ہیں۔ اس میں (Treasury Public) کو ''بیت المال'' کہا جاتا ہے اور جملہ محاصلِ حکومت کو جن سے وہ نظام افرادِ معاشرہ کو سامانِ نشوونما مہیا کرتا ہے ''زکوٰۃ'' کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس میں مسجد کی حیثیت محض ''پرستش گاہ'' کی نہیں ہوتی، امورِ دنیا پر دین کی روشنی میں غور وفکر کے لئے ''مرکزِ مشاورت'' کی ہوتی ہے۔ اس میں حج ''الگ مذہبی فریضہ'' نہیں ہوتا، ملتِ اسلامیہ کا عالمگیر اجتماع ہوتا ہے جس میں اجتماعی امورِ حیات پر دین کے اصولوں کی روشنی میں فکر وتدبر کیا جاتا ہے۔ مختصراً، اسلامی مملکت میں نہ مذہبی امور، دنیاوی امور سے الگ ہوتے ہیں نہ ان امور کے لئے جداگانہ وزارت کی تشکیل کی جاتی ہے۔'' اس کے بعد، تھوڑا سا آگے چل کر لکھا ہے کہ:۔ ''کیا اس وزارت کے علاوہ باقی وزارتوں میں جو امور طے پائیں گے ان کا مملکت کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؟۔ اگر ان حضرات کے لئے دین کے حوالہ سے اس نکتہ کا سمجھنا مشکل ہے تو کم از کم یہ بات ان کی سمجھ میں ضرور آ جانی چاہیئے کہ کیا سوشلسٹ ممالک میں ''سوشلزم'' سے متعلق امور کے لئے کوئی الگ وزارت ہوتی ہے؟۔ جو مملکت کسی نظریہ پر مبنی ہو اس میں وہ نظریہ، جملہ امورِ مملکت میں اس طرح رواں دواں ہوتا ہے جس طرح انسانی جسم میں خونِ زندگی۔ اگر جسم میں خون کو کسی الگ مقام میں محدود کر دیا جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت اسلامی مملکت میں مذہب (یعنی دین) کی ہوتی ہے۔ وہ مملکت کے جملہ کاروبار میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ اسی سے اس مملکت کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ اگر وہ مملکت کے جملہ کاروبار میں محلول نہ ہو تو مملکت اسلامی نہیں رہ سکتی۔''

☆.....☆.....☆

طلوعِ اسلام اپریل ۱۹۷۴ء۔ ص۔ ۲۴۔ ''اس (قرآن) نے کہا تھا کہ: الا اللہ تک پہنچنے کے لئے پہلے، لا الٰہ ضروری ہے۔: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى.....(2:256)۔ خدا تک وہی پہنچ سکتا ہے جو پہلے ہر غیر خداوندی معبود سے انکار کر دے۔ صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے غلط راستے کا چھوڑنا لاینفک شرط ہے۔ مذہب، باطل کے معبودوں کی پرستش گاہ ہوتا ہے۔ جب تک اسے چھوڑا نہ جائے انسان دین تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہود ونصاریٰ جیسے مذہب پرستوں کو بھی جو اسلام کی دعوت دی گئی تھی تو اس کی یہی وجہ تھی۔ اس وقت ہو یہ رہا ہے کہ مذہب سے تنگ آنے والے، مذہب کو تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن چونکہ دین

ان کے سامنے نہیں ہوتا، اس لئے وہ سیکولرازم اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بہرحال، مذہب پرستی کے مقابلہ میں، دین کی طرف آنے کے لئے ایک قدم آگے ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ غلط نظامہائے حیات کے خلاف جس قدر آوازیں بلند ہو رہی ہیں، وہ انہی کی آوازیں ہیں جو مذہب کو چھوڑ چکے ہیں۔ اہل مذاہب کی طرف سے اس قسم کی کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ وطنیت کے خلاف، یورپ کے ملحد و بے دین تو آوازیں بلند کر رہے ہیں، لیکن مذہب پرست مسلمان رنگ، نسل، زبان اور وطنیت کی بناء پر مختلف قوموں میں بٹے ہوئے ہیں، اور دن بدن ان حلقوں کو اور زیادہ شدت سے کستے جا رہے ہیں۔ خود پاکستان کو دیکھئے جسے دین کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن جو مذہب کی تاریک ترین آماجگاہ بن گیا۔ اس مملکت کی بنیاد، قرآنی نظریہء قومیت پر رکھی گئی تھی۔ لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ نسلوں یا زبانوں کے اختلاف کی بناء پر چار چار قومیتوں کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ اور جو بزرگوار خیر سے دو قومی نظریہ کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کی بھی حالت یہ ہے کہ زبان سے دو قومیں کہتے ہیں لیکن عملاً حدودِ پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو ایک قوم قرار دیتے ہیں۔ یعنی یہ بھی وطنیت کو معیارِ قومیت تسلیم کرتے ہیں۔ مذہبی پیشوائیت نہ اُن کے خلاف لب کشائی کرتی ہے، نہ ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اور یہ کیفیت پاکستان تک ہی محدود نہیں، تمام مسلم ممالک میں یہی عالم ہے۔ مذہب کے پرستار کہیں بھی نسل یا وطن کی بناء پر قومیت کی تشکیل کے خلاف لب کشائی کرتے نظر نہیں آتے۔''

☆.....☆.....☆

دین کا غلبہ:۔ ''بہارِ نو'' ص۔۲۲۷۔ ''دین خدا کے اٹل قوانین کا نام ہے۔ اور ان قوانین کا، آخر الامر، غالب آنا خدائی پروگرام ہے۔ خدا کے پروگرام کو دنیا کی کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن (جیسا کہ آپ احباب کو اچھی طرح معلوم ہے) حق آہستہ آہستہ باطل کے نظام پر غالب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لئے کہ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ جن اربابِ نظر کی نگاہیں ان انقلابات پر ہیں جو اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں رونما ہو رہے ہیں (اور جنہیں علامہ اقبالؒ نے قیامتِ موجود سے تعبیر کیا ہے) انہیں نظر آ رہا ہے کہ اب مشیت کے پروگرام کے مطابق باطل کے نظامہائے زندگی کے مٹنے کا وقت بڑی تیزی سے آ رہا ہے۔ دنیا سے ملوکیت کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاج فضا میں اڑتا دکھائی دیتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری (جاگیرداری، زمین داری) حرفِ غلط کی طرح مٹ رہا ہے۔

مذہب کا انجام قریب ہے:۔ اور ان کے ساتھ ہی مذہب کی سحر کاریاں بھی ابخرات کی طرح ہوا میں اڑتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ ذرا غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ انسانی قلوب و اذہان پر مذہب کی جو گرفت آج سے پچاس سال پہلے تھی، وہ بڑی حد تک ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ ہندوستان سے سناتن دھرم بڑی تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ بدھ مت کا مامن و مسکن چین تھا۔ اسے وہاں سے دیس نکالا مل چکا ہے۔ تبت ان کے خداؤں (لاماؤں) کا پایہء تخت تھا۔ وہ وہاں سے بیک بنی و دو گوش نکالے جا چکے ہیں۔ اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہودیت، مذہب کو چھوڑ کر، سیاست میں بدل چکی ہے۔ عیسائیت کی

قدیم عمارت کا وسطی ستون پوپ ہے۔اس نے ابھی پچھلے دنوں (۱۹۶۳ء) جس نئی پالیسی کا اعلان کیا ہے وہ اس حقیقت کی غماز ہے کہ اس کا اقتدار بھی خطرہ میں ہے۔غرضیکہ مذہب کی دنیا میں آپ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو نظر آجائے گا کہ:۔ع:۔

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

جب ساری دنیا میں مذہب کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے، تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہب (دین نہیں، مذہب) جو ہمارے ہاں رائج ہے، باقی رہ جائے گا؟۔اس وقت سوال اُس مذہب یا اِس مذہب کا نہیں۔سوال نفسِ مذہب کا ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔یہ کہنا کہ دوسروں کا مذہب باطل ہے اور ہمارا حق، اس لئے یہ فنا نہیں ہوسکتا، خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔دنیا میں ہر مذہب کے علمبردار یہی کہتے ہیں۔لیکن مذہب حق پر ہوتا ہی نہیں۔حق پر تو خدا کا دین ہوتا ہے۔اب مذہب کا دور ختم ہو رہا ہے، اس لئے مذہبی مفاد پرستوں کی ہزار کوششوں اور مقدس آرزوؤں کے باوجود یہ باقی نہیں رہ سکتا۔علامہ اقبالؒ نے عرصہ ہوا ''لیگ آف نیشنز'' (آنجہانی) کے متعلق کہا تھا کہ:۔

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے ڈر ہے خبرِ بد نہ میرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتہ ء پیرکِ افرنگ ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

جو کچھ انہوں نے لیگ اوف نیشنز کے متعلق کہا تھا وہی کچھ اب انسانوں کے خود ساختہ مذہب کے متعلق نظر آتا ہے۔اس وقت اربابِ مذہب کے ہاں جذبات کی جو شدت نظر آتی ہے وہ ان کی حرکتِ مذبوحی ہے۔اس سے یہ کچھ وقت کے لئے فضا میں انتشار اور معاشرہ میں خلفشار تو پیدا کر سکتے ہیں، اپنی مسندوں کو گرنے سے بچا نہیں سکتے۔زمانے کے تقاضے انہیں ختم کر کے رہیں گے۔''

☆.....☆.....☆

سانحۂ ارتحال

بزم طلوع اسلام سوات اور فکر قرآنی سے وابستہ السابقون الاولون میں سے ایک نڈر اور مجاہد بزرگ جناب طاہر استاد صاحب **20.8.2013** کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطاء فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔مرحوم کے خلاف والئ سوات کے زمانے میں مخالفین نے عوام کو اشتعال دلا کر نقصان پہنچانے کی مزموم کوشش کی تھی۔مگر مرحوم کو چند با اثر نظریاتی ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بچا کر اپنے ہاں پناہ دی تھی لیکن مرحوم کا پبلک کے سامنے آنا ممکن نہ تھا۔اس وقت میرے والد حکیم دولتمند مرحوم جو ضلع سوات میں قرآنی فکر کے داعی تھے نے اپنے بھائی اور اپنے دوست مردان بزم کے نمائندہ جناب عبدالحکیم خان صاحب مرحوم و مغفور کے پاس اس صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔وہ سوات سے ٹرانسپورٹ کی قلت کے وجہ سے سائیکل پر گئے۔جناب عبدالحکیم خان صاحب مرحوم و مغفور نے آکر سوات کے اس وقت کے بادشاہ جناب والی سوات مرحوم سے ملاقات کی۔اور پھر جناب والئ سوات کے احکامات کی وجہ سے انھوں نے دوبارہ معاشرہ میں زندگی اور روزمرہ کے معمولات میں حصہ لینا شروع کیا۔ادارہ اور بزم طلوع اسلام سوات مرحوم کے خاندان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ خورشید انور، نمائندہ بزم طلوع اسلام، مینگورہ، سوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

ہر غیر اسلامی نظام عذاب الٰہی ہوتا ہے

مشہور انگریزی اخبار ''دی نیوز'' کی اشاعت بابت 30 جولائی میں ایک خبر بعنوان ''آج سے اعتکاف شروع ہو رہا ہے'' شائع ہوئی تھی جس میں تحریر تھا کہ آج سے مغرب کی نماز کے بعد ہزاروں مساجد میں نمازی اعتکاف میں بیٹھ رہے ہیں۔ اعتکاف میں بیٹھنے کی رسم ہم مسلمانوں میں بہت عرصہ سے چلی آ رہی ہے رمضان کے آخری عشرے میں نمازی مستقل طور پر مسجد میں ہی قیام کرتے ہیں اور چاند کی رویت کے بعد مسجد سے باہر نکلتے ہیں۔ غیر اسلامی نظام میں انفرادی طور پر اللہ کی پرستش کرنا رُہبانیت ہے۔ یہ اللہ کی اطاعت نہیں ہے۔ دین میں اللہ کی اطاعت اجتماعی طور پر ہوتی ہے دین میں فرائض، ذمہ داریاں اور دُعائیں اجتماعی ہوتی ہیں جو نظام پوری کرتا ہے۔ اپنے بچوں کو رزق فراہم کرنا انفرادی ذمہ داری نہیں ہوتی، بچوں کی ضروریات پوری کرنا، اجتماعی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اپنی اپنی انفرادی نجات کے لئے پرستش کرنا رُہبانیت ہے اور ہم سب اسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مورخہ 7 اگست 2013ء اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ اس اعتکاف کے اختتام پر ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے تقریر فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب کی اصل تقریر ہمیں نہیں مل سکی۔ البتہ دی نیوز نے اس تقریر کے چند فقرے نقل کئے ہیں۔ اِس خبر کا عنوان یہ ہے۔

Corrupt System in a form of Allah's Wrath

''بد دیانت حکومت عذابِ الٰہی ہوتی ہے''۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے بد دیانت ریاست یا سسٹم کو عذاب الٰہی کہا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے نزدیک تو ہر غیر اسلامی نظام اللہ کا عذاب ہوتا ہے انسانوں کا وضع کردہ نظام کتنا ہی دیانتدار اور نقائص و مصائب سے پاک ہو، اس کے باوجود بھی وہ عذاب خداوندی ہوتا ہے۔ ہمارے دل میں ڈاکٹر صاحب کا بہت احترام ہے۔ ہمیں ان کے ایک بلند پایہ عالم ہونے کا اعتراف ہے۔ ہمیں جو گذارشات ان کی تقریر کے بارے میں عرض کرنی ہیں ان کے پیچھے ان کی شخصیت نہیں ہے۔ علمیت کے اس بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود ''مذہب'' کے داعی ہیں۔ اس مضمون میں محاکمہ مذہب اور مذہبی نظریات پر کیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات ہمارے پیش نظر نہیں ہے بلکہ پیش نظر وہ نظریات ہیں جن کی حامل ہماری پیشوائیت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور انسانیت کے باہمی رابطہ کا واحد ذریعہ نبی ہوتا تھا۔ ختم نبوت کے بعد یہ رابطہ بند ہو گیا اور اس کی جگہ وحی الٰہی، قرآن

کریم نے لے لی۔ اب انسانیت کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے صرف قرآن کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ آپ جتنی دیر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ جب آپ نے تلاوت کرنی ختم کردی آپ کا رابطہ باری تعالیٰ سے منقطع ہوگیا۔ البتہ اگر آپ اسلامی نظام قائم کرکے اس کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہیں، تو اس نظام کے اندر آپ کا رات دن اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رہتا ہے۔ ختم نبوت کے عملی نتائج یہ ہیں کہ اب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست کوئی علم حاصل نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ جو بھی علم ہے وہ صرف قرآن میں محفوظ کردیا گیا ہے۔ ختم نبوت کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد انسان کی حکومت انسان پر جائز نہیں (3:79) قرآنِ کریم نے شخصیات کا دور ختم کر دیا، اور قرآن نے نظام اور اداروں کو Introduce کرایا ہے۔ دین نے انسان کو عزت بخشی اور اسی کو مکرم ٹھہرایا (17:70) اور اس کو اپنے ہی ہم جنس کے ماتحت رکھنے کو تکریم انسانیت کے خلاف ٹھہرایا۔ علامہ اقبال نے اسی مضمون کو دو شعروں میں موتیوں کی طرح پرو دیا ہے:۔

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد
گوہرے داشت و لے نذر قبا و جم کرد
یعنی در خُوئے غلامی زسگاں بدتراست
من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

قرآن کی رُو سے اللہ کی اطاعت براہِ راست نہیں ہوسکتی بلکہ اللہ کی اطاعت رسول کی معرفت ہی ہوسکتی ہے ارشاد عالیٰ ہے۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (4:80) جس نے رسول کی اطاعت کی اِس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس طرح اللہ کی اطاعت رسول کی معرفت ہوسکتی ہے اسی طرح رسول کی اطاعت بھی صرف اولوالامر کی معرفت ہی ہوسکتی ہے (4:59) اسلامی مملکت کے مقامی حکام اولوالامر ہوتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی مملکت قائم فرمائی، تو اس کا رقبہ دس لاکھ مربع میل پر مشتمل تھا۔ اِس مملکت کے انتظام وانصرام کے لئے جو مقامی حکام رسول اللہ نے مقرر فرمائے تھے وہ اولوالامر تھے۔ قرآن کریم نے ان کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے (4:59) اولوالامر کی اطاعت کو فرض قرار دینے کا منطقی نتیجہ اسلامی نظام کا معرض وجود میں آنا ہے۔ جب اولوالامر مقرر ہوگئے تو نظام تو ازخود وجود میں آ گیا اور اس کی اطاعت فرض ہوگئی۔ اگر غیر اسلامی نظام اللہ کا عذاب نہ ہوتا تو رسول اللہ مدینہ میں نظام قائم کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ وہ مکہ میں رہ کر ہی پرستش کی چند رسوم میں اضافہ فرما سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نظام قائم کرنے کے لئے مشرکین وکفار سے 82 لڑائیاں لڑیں لیکن ان تمام صعوبات اور مشکلات کے باوجود آپ نے اسلامی نظام قائم کرکے ہی چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی نظام قائم فرمایا تو یہ ان کی Choice نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نظام قائم کرنا فرض تھا (42:13) جب مدینہ میں اسلامی نظام قائم ہوگیا تو مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت واجب کردی گئی تھی کہ وہ فوراً اسلامی نظام کی طرف ہجرت کر جائیں **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ**

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (4:97)۔ (ترجمہ) بے شک جن لوگوں کی قبض روح فرشتوں نے اس وقت کی ہے کہ (وہ غیر اسلامی نظام میں پڑے' اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے قبض روح کے بعد حیرت سے کہتے ہیں کہ تم کس حالتِ غفلت میں تھے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو روئے زمین میں بیکس تھے۔ تو فرشتے کہتے ہیں' کہ خدا کی زمین میں اتنی بھی گنجائش نہیں تھی کہ تم ہجرت کر کے چلے جاتے' پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اس آیہ کریمہ کے ذیل میں مولانا عثمانیؒ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں۔ اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں۔ سو اُن پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔۔۔۔۔''

کسی نظام کے عذابِ الٰہی ہونے کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ تین آیات کریمات پیش نظر رکھیں جن میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں' وہی کافر' ظالم اور فاسق ہیں یعنی جو قوم انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرے گی' اس نظام کی بنیاد میں یقیناً کفر' ظلم' اور فسق ہوگا اور جس نظام میں یہ تینوں لعنتیں ہوں گی اس کے عذاب الٰہی ہونے میں کیا شک وشبہ باقی رہ سکتا ہے ان آیات کے ذیل میں تفہیم القرآن میں مرقوم ہے ''یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین کلمہ ثابت کئے ہیں۔ یہ کہ وہ کافر ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں اور تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل ان تین جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اوّلاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنیٰ ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ یہ فعل عدل وانصاف کے خلاف ہے کیونکہ ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا۔ وہ تو خدا نے دے دیا تھا۔ اس لئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اِس نے یہ فیصلہ کیا تو وہ ظلم کیا تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی واطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر' اور ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہو گیا۔ ممکن نہیں ہے کہ جہاں وہ انحراف موجود ہو وہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔ (P476) اور یہی نظام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہوتا ہے۔

انبیاء کرام پر یہ تو فرض تھا کہ وہ دین کو قائم کریں یہ اُن کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا۔ کہ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (42:13)۔ دین کو قائم کرو اور اس میں فرقے نہ بناؤ۔ اسی وجہ سے خود حضور کو یہ حکم دیا گیا تھا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ (4:105)۔ (اے رسول) ہم نے تم پر برحق کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ پھر یہ بھی ارشاد ہوا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48) جو احکام خدا نے نازل کیے ہیں تم ان کے مطابق فیصلہ کرو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ (42:15)۔ اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل

کروں۔ ان مقامات سے واضح ہے کہ قرآنِ کریم اپنے علاوہ کسی قانون کو بھی پسند نہیں کرتا۔ اسلامی مملکت میں قانون کا ماخذ صرف قرآن ہوتا ہے اور قرآن ہی اسلامی مملکت کا Constitution ہوتا ہے۔ قرآن کریم جو نظام دیتا ہے اس پر عمل درآمد کرنے کا لازمی نتیجہ اقتدار حاصل ہونا ہوتا ہے۔ اگر کسی فرد یا قوم کو اقتدار برا لگتا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسلام قبول نہ کرے، لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قوم قرآن کریم کو اپنا Constitution بنائے، اور اس پر عمل کرے اور اُسے اقتدار حاصل نہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (24:55) اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں اقتدار دے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو دے چکا ہے۔ ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں میں قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند فرمایا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو امن میں بدل دے گا، پس وہ میری اطاعت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جو کوئی اس سے کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ قرآنِ کریم کس طرح ایمان اور اعمال صالحہ کا نتیجہ اسلامی نظام کے قیام کو قرار دے رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ (24:53) اور اپنی تاکیدی قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ دعویٰ اطاعت کی پہچان تو بڑی آسان ہے اگر نتائج دعا دی کے مطابق سامنے آ رہے ہیں تو یقیناً اطاعت ہو رہی ہے۔ اطاعت کے ثمرات تو خود سامنے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ثمرات ''ثواب'' کی طرح غیر مرئی نہیں ہوتے کہ کرنے کے بعد دکھائی نہ دیں۔

ہم مسلمان جس زوال و ادبار سے دوچار ہیں اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے پرستش کو اطاعتِ خداوندی سمجھ لیا ہے۔ ہم پرستش اور اطاعت میں فرق ہی نہیں سمجھتے۔ اطاعت کا نتیجہ اس دنیا میں اقتدار اور قوم کی خوش حالی ہوتا ہے جو سامنے دکھائی دیتی ہے۔ پرستش کا نتیجہ زوال اور بربادی ہوتا ہے۔ مسجد سے باہر نکل کر جب آپ اپنی کار میں اپنے گھر جائیں گے، تو ٹریفک سگنل پر سپاہی آپ کو روک لے گا، اور آپ کو رُکنا ہوگا۔ یہاں آپ نے اس سپاہی کی اطاعت کی اور اس کی معرفت ملک کے نظام کی اطاعت کی۔ اِس طرح آپ پرستش اللہ کی کر رہے ہیں اور اطاعت انسانوں کے وضع کردہ نظام کی۔ یہی دین کی رُو سے سب سے بڑا جرم ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے آج ساری دنیا میں اللہ کی اطاعت ایک گز زمین پر بھی نہیں ہو رہی ہے۔ اللہ کی صرف پرستش ہو رہی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (16:90) اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان کرنے کا۔ قرآن کریم میں اسلامی نظام کی فرضیت کی اگر کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تو یہ ایک آیت ہی اقامت دین کی فرضیت کے لئے کافی تھی۔ اس آیت سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دے رہا ہے۔ تو یقیناً وہ خود ہی وہ قوانین بھی دے گا جس کے مطابق عدل کیا جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا

کہ وہ اپنی طرف سے قوانین دیے بغیر عدل کا حکم دے رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کبھی یہ نہیں ہوسکتی کہ بھارت، امریکہ یا برطانیہ کے قوانین کی رُو سے عدل کیا جائے، برطانوی قوانین کی رُو سے ہم جنس پرستی جیسا شنیع فعل جائز ہے جو قرآن کریم جائز قرار نہیں دے سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے کا حکم دے رہا ہے اس لئے اس ذات عالی صفات پر لازم ہے کہ وہ خود ہی اپنی طرف سے قوانین عطا فرمائے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو مردود قرار دے۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے اسقام و مصائب اور قرآن کے قوانین کی ان پر فوقیت و برتری ایک جامع مضمون ہے۔ اس پر مسلم Jurisprudence کے ماہرین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس موضوع پر وہ حضرات ہی خوب لکھ سکتے ہیں۔ البتہ اس بارے میں ہر شخص چند ظاہری نکات خود ہی محسوس کرسکتا ہے۔ ان نکات میں ایک بات یہ بڑی واضح ہے کہ قرآنِ کریم نے عدل کے ساتھ احسان کا حکم بھی دیا ہے۔ احسان کا حکم بھی اتنا ہی ضروری ہے جس قدر کہ عدل کا حکم ضروری ہے۔ دوسری کسی قوم میں احسان کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اور نہ ہی انسانوں کے وضع کردہ قوانین میں اس کا تصور پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم نے کتمانِ شہادت کو بھی جرم قرار دیا ہے۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ (2:283)۔ جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے اس کے دل پر افسردگی چھا جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ تو شاید برائیوں کے اِس درجہ پر ہے کہ شاید ہی کوئی معاشرہ ایسا ہو، ہم میں سے بھاری اکثریت جھوٹوں پر مشتمل ہے۔ جو کیلا کھاتے ہیں تو سیب بتاتے ہیں۔ نہ جھوٹ کو برا سمجھا جاتا ہے۔ جس کا جس قدر بلند مقام ہے وہ اسی درجہ جھوٹا ہے۔ نہ کہ رامنزلت باشد نہ مہ را۔ ہاں ایسے اور مہذب معاشرے جہاں جھوٹ کو برا قرار دیا جاتا ہے وہاں جھوٹی گواہی دینے والا منہ چھپائے چھپائے پھرتا ہے۔

ہر شخص اِس بات سے واقف ہے کہ نظام عدل کا انحصار شہادت پر ہوتا ہے اور قرآن کریم نے جو شہادت کا اصول بیان فرمایا ہے اس اصول تک انسانیت کو پہنچنے میں صدیاں درکار ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (4:135)۔ (ترجمہ) اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور خدا کی گواہی دو اگرچہ یہ گواہی خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے خلاف ہو۔ خواہ مال دار ہو یا محتاج۔ کیونکہ خدا تو ان پر زیادہ مہربان ہے۔ تم حق سے کترانے میں خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو اور اگر گھما پھرا کے گواہی دو گے یا بالکل انکار کرو گے تو جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے۔

ہر مقدمہ میں گواہ کسی نہ کسی پارٹی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں۔ گواہ یا تو مدعی کی طرف سے ہوں گے یا مدعا علیہ کی طرف سے ہوں گے، جب بھی گواہ کسی بھی پارٹی کی طرف سے جائے گا، ظاہر ہے کہ اس کا رجحان اس پارٹی کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کے لئے Soft Corner اس کے دل میں ہوگا۔ لیکن قرآن کریم شہادت کے لئے کہتا ہے کہ تم نہ مدعی کی طرف سے پیش ہو اور نہ ہی مدعا علیہ کی طرف

سے تم صرف خدا کی طرف سے پیش ہو اور کسی کی بھی کوئی جانبداری نہ کرو۔ پھر مزید ارشاد ہوتا ہے خواہ وہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر مزید فرمایا' خواہ وہ تمہارے ماں باپ کے خلاف ہو' اور خواہ دولت منداور فقیر کے خلاف ہو فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا (4:135) تم سے زیادہ خدا کو ان کے حقوق کا علم ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کسی کا کیا حق ہے۔ پس اپنے جذبات کے پیچھے نہ چلو ایسا نہ ہو کہ پھر تم شاید عدل نہ کر سکو۔

قرآن نے تو دشمن قوم سے بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ق ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (5:8) اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس جرم میں نہ پھنسا دے کہ تم اس سے ناانصافی کرنے لگو (خبردار) تم ہر حال میں انصاف کرو کیونکہ یہی تقویٰ کے قریب ہے۔ قرآن کریم نے شہادات کی اور بھی بہت تفصیلات دی ہیں جن میں سے چند ہم نے تحریر کر دی ہیں۔ یہ تفصیلات اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم کا اپنا نظام عدل ہے جس کا قائم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل ایمان اور اعمالِ صالحہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے قیام میں کسی قسم کا تشدد استعمال نہیں ہوتا۔ اعتکاف میں نمازیں ہی پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن نماز کی پوزیشن یہ ہے کہ نماز صرف غالب قوم ہی ادا کر سکتی ہے۔ ایک مغلوب قوم صلوٰۃ قائم نہیں کر سکتی۔ نماز فارسی زبان کا لفظ ہے۔ صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کر دیا جاتا ہے۔ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (22:41)۔ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت دیں تو نماز قائم رکھیں زکوٰۃ دیں۔ بھلے کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں (ترجمہ شیخ عبدالقادر) جناب محترم مودودی صاحب نے تفہیم میں اس کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا ہے ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے''۔ یہ دونوں مستند تراجم آپ نے ملاحظہ فرمالئے۔ ان دونوں میں اقامتِ صلوٰۃ کے لئے اقتدار شرط قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس اقتدار نہیں ہے وہ قوم صلوٰۃ قائم نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کا مسلمان صلوٰۃ قائم نہیں کر سکتا۔

علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازی' ایک بلند پایہ عالم تھے۔ بین الاقوامی قانون' عدالتی امور پر ان کی تیس کتابیں' انگریزی' عربی' اُردو میں موجود ہیں' جو شریعت کورٹ کے صدر بھی رہے تھے۔ انہوں نے ''مغرب اور اسلام'' کی خصوصی اشاعت میں اس آیت کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے آپ اِس کو بار بار غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''تاہم قرآن' مسلمانوں کی سیاسی قوت اور اس کے فرائض کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اِسی سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ اختیار یا حاکمیت شرط ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے شرط عائد کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان صرف اسی صورت میں اجتماعی طور پر ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے جوابدہ ہیں اگر وہ زمین میں کسی جگہ سیاسی طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ بصورت دیگر اگر وہ غیر مسلم ماحول میں اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں یا ایسے حالات میں جہاں انہیں سیاسی غلبہ اور آزادی حاصل نہیں تو

قرآن ان سے ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا''۔ علماء کے حلقہ میں غازی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ بات کھلے کھلے الفاظ میں تحریر کی ہے (مغرب واسلام۔ خصوصی اشاعت۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد۔ صفحہ 19) جلالین نہایت معتبر مستند تفسیر ہے۔ اس تفسیر میں اس آیت کی ترکیب نحوی تحریر کی گئی ہے۔ اِس میں تحریر ہے ''ان مکنا میں جو شرط تھا 'اقاموا الصلوٰۃ' اور اس کے بعد کا جملہ' اس شرط کا جواب ہے۔ نیز شرط و جواب شرط دونوں صلہ ہیں الذین موصول کا' اس سے قبل ایک مبتداء محذوف کا یعنی ''ھم'' کا''۔ اس ترکیب نحوی کا مدعا بھی یہی ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے لئے تمکن فی الارض شرط ہے۔ اگر تمکن فی الارض نہیں ہے تو اقامت صلوٰۃ نہیں ہوسکتی۔ جب تمکن فی الارض کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ نہیں ہوسکتی تو اعتکاف کیسے ہوسکتا ہے۔

غیر اسلامی معاشروں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ** (6:124) ہم نے ہر بستی میں اس کے قصور داروں کو سردار بنایا تا کہ وہ ان میں مکاری کیا کریں اور وہ لوگ جو کچھ بھی مکاری کرتے ہیں' اپنے ہی حق میں برا کرتے ہیں' اور سمجھتے تک نہیں۔ قرآن کریم لوٹ مار' ظلم واستبداد پر مبنی نظام کے افسران کو اکابر مجرمین کہہ کر پکارتا ہے۔ قرآن کی رُو سے اس نظام میں زندگی بسر کرنے والا' ایک ایک فرد' ایک ایک شہری مجرم ہوتا ہے۔ لیکن ان کے لیڈر مجرموں کے سردار ہوتے ہیں۔ حضرت صالحؑ جب قوم ثمود میں مبعوث ہوئے تو قرآن نشاندہی فرماتا ہے کہ ان کے دارالخلافہ میں صرف نو لیڈر تھے جو فساد پھیلا رہے تھے۔ اگر وہ نو لیڈر درست ہو جائیں تو ساری قوم درست ہو جائے گی۔ قرآن کی رُو سے قوم کے بگاڑ میں اصلی ذمہ داری لیڈروں کی ہوتی ہے' لیکن قرآن ان کے متبعین (Followers) کو بھی بری الذمہ نہیں ٹھہراتا کیونکہ ان لیڈروں کی قوت یہی عوام ہوتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دین کو قائم کرنا اور طاغوتی نظام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دینا ہر شخص کا فریضہ ہوتا ہے۔ اس میں کسی نظام کے کرپٹ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہماری جناب ڈاکٹر صاحب سے یہی گذارش ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر' اپنی باقی ساری عمر اقامتِ دین کے لئے کوشش میں گزار دیں' اگر انہوں نے کسی جگہ بھی دین کا نظام قائم کر دیا' تو وہ اس دور کے سب سے بڑے محسنِ انسانیت ہوں گے۔

☆.....☆.....☆

سانحۂ ارتحال

بزمِ طلوع اسلام چک جھمرہ کے نمائندہ محترم پروفیسر سید اعجاز صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ
بزمِ طلوع اسلام چک جھمرہ ضلع فیصل آباد کے سابق نمائندہ محترم مرزا غالب صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔
دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے اہل خانہ اور بزم چک جھمرہ کے احباب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

چوتھی قسط

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

جناب یحییٰ نے پہلے ایک سوال کیا ہے کہ ''زندگی کرہ ارض پر کیسے نمودار ہوئی۔ جب جب یہ اس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے' تو نظریۂ ارتقاء دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی ایک ایسے خلیے سے شروع ہوئی جو اتفاقاً وجود میں آ گیا تھا''۔ اتفاقیہ تخلیق کی نفی میں اوپر بحث ہو چکی ہے کہ اکثر بڑے بڑے سائنسداں اس حقیقت کو کھلے ذہن سے تسلیم کرتے ہیں کہ ہر شئے کا خالق خدا ہے۔ اور یہ بھی عرض کر دیا گیا ہے کہ بذات خود ارتقاء ایک عمل (Process) ہے جو اللہ کی صفتِ ربوبیت کے قوانین کے مطابق جاری ہے۔ یہ خود کسی قسم کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔ البتہ یحییٰ صاحب نے خود ایک حیران کن دعویٰ کیا ہے کہ ''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ غیر نامیاتی مادے ایک دوسرے کے قریب آ کر زندگی کو وجود بخش دیتے ہیں ایک غیر سائنسی نظریہ ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی بھی غیر نامیاتی مادوں کو یکجا کر کے جاندار خلیہ پیدا نہیں کر سکا''۔ اس دعوے کے حق میں انہوں نے ایک ماہر فلکیات اور ریاضی کے پروفیسر چندراوکر ماسنگھ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ''بے جان مادے سے زندگی کے خود بخود وجود میں آ جانے کا امکان کسی تعداد کے بعد 40,000 صفر لگا دینے میں ایک ہے۔۔۔۔ اور اگر زندگی کا آغاز بے ترتیب نہ تھا تو پھر یہ یقیناً با مقصد ذہانت کی پیداوار تھی''۔ آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جناب یحییٰ اور جناب وکرماسنگھ کے خیالات میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اول الذکر کا موقف ہے کہ غیر نامیاتی مادے سے زندگی وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔ جبکہ ثانی الذکر کے نزدیک بے جان مادے سے زندگی اتفاقیہ طور پر خود بخود وجود میں نہیں آ سکتی۔ یہ موقف جناب یحییٰ کے دعوے سے حقیقت سے زیادہ قریب ہے کیونکہ قرآن پاک اس موقف کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اللہ پاک غیر زی حیات یا بے جان مادے سے زندگی کی نمو کرتا ہے۔ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ 6:96' 10:31' 30:19' 30:50 اور مزید۔ یہ تو ایسی حقیقت ہے جسے جناب فتح اللہ بھی تسلیم کرتے ہیں ان کے اپنے الفاظ میں:۔

"The creator of mankind who is Allah, The one, the merciful, the beneficent, who created man from wet earth, clay, black mud altered, mire, plastic clay, dust and water."

لہٰذا غیر نامی مادے سے زندگی کی نمو کا تصور نہ خلافِ قرآن ہے اور نہ غیر سائنسی۔ یہی تو بے جان مادے کی بات کرتے ہیں جبکہ سائنسدان تو یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسان ابھی تک جاندار مادے (Organic Matter) کی مدد سے زندہ Cell نہیں بنا سکا۔ جیسا کہ اوپر بل برائسن کے بیان کردہ تجربے سے واضح ہو جاتا ہے۔

زندگی بذات خود کیا ہے؟ اس کا 'Origin' کیا ہے؟ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک انسانی علم (Science) ان سوالات کا جواب تلاش نہیں کر سکا۔ اگر ایک طرف سے کچھ مفروضات سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں علامہ پرویز مادی یا غیر نامی ارتقاء پر بحث کے بعد لکھتے ہیں ''صفحۂ ارض پر زندگی (Life) کی نمود کیسے ہوئی اور خود انسان کیسے وجود میں آیا؟ جہاں تک آغازِ حیات کا تعلق ہے سائنٹیفک تحقیقات اس باب میں بھی اسی طرح محوِ حیرت ہیں جس طرح وہ آغازِ کائنات کے متعلق ششدر و حیران۔ البتہ وہ آغاز حیات کے بعد جاندار اشیاء کے متعلق جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ نظریۂ ارتقاء کی پیداوار ہے''۔ بل برائسن کا بھی ایسا ہی ماننا ہے۔ وہ سمندری مخلوق اور وہاں کے پیچیدہ حالات و واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''یہ کروڑوں جانور جنوبی قطب کے باسی ہیں۔ یہاں خوراک کے سلسلے کو بحال رکھنا مشکل کام ہے مگر کسی نہ کسی طریقے سے یہ چل رہا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کیسے۔ گھوم پھر کر ہم بالآخر اسی مقام تک آ پہنچے ہیں کہ ہمیں زمین کے سب سے بڑے نظام کے بارے میں بہت ہی کم معلوم ہے۔ لیکن جوں جوں آپ آگے بڑھیں گے کہ ہمیں اور بہت سی چیزوں کا بھی علم نہیں مثلاً ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کب اور کیسے وجود میں آئے''۔ ایک مشہور عالم حیات 'A.V.Hill' کا بھی یہی خیال ہے وہ کہتے ہیں ''میں آج آپ کے سامنے یہ نہیں کہنا چاہتا (اس لئے کہ آپ اس سے پہلے متعدد بار اس غلط نظریہ کو سن چکے ہیں) کہ مسئلہ حیات موجودہ زمانے کی طبعیات اور کیمیا سے سمجھا یا جا سکتا ہے خواہ سمجھانے والا کیسا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو (ایسا ممکن نہیں) آیا مستقبل کے علم طبیعیات اور کیمیا کے ذریعے ایسا ممکن ہوگا اس کے متعلق میں قیاس آرائی نہیں کرنا چاہتا''۔ "The physical Reasonabeness of life"۔ ایک اور ماہر نفسیات 'Samuel' کہتے ہیں کہ ''سائنس نے بہت تھوڑا فاصلہ طے کیا ہے۔ زندگی اور نفس کے متعلق آج ہمارا علم قریب قریب اسی مقام پر ہے جہاں مادہ کے متعلق ہمارا علم تین چار صدیاں پیشتر تھا۔ پروفیسر ایڈنگٹن کا بھی یہی خیال ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ دَور کے مشہور سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ نے بھی انسان کے بارے میں ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ کائنات کے خود بخود وجود میں آنے کے طبیعی اور کیمیائی ثبوت دیتے رہتے ہیں لیکن زندگی کے بارے میں وہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا ہمیں علم نہیں۔ وہ اپنی کتاب "The Universe in a nut shell" میں لکھتے ہیں۔

"By far the most complex systems that we have are our bodies life, it seems, has originated in the primordial oceans that covered the earth four billion

years ago. How this happened we don't know."

اس کرہ ارض پر ظہور زندگی سے پہلے بے جان مادے کا اِس انداز سے ارتقاء جاری رہا جس کے نتیجے میں زندگی کا ظہور ناگزیر تھا۔ زندگی جیسے بھی نمودار ہوئی ہو، یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن زندگی کے قیام اور ارتقاء کے لئے مناسب ماحول کی موجودگی بھی کائنات میں ارتقاء کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ اس بارے میں بل برائسن نے اپنی کتاب "A short history of nearly Everything" میں ڈاکٹر فری مین ڈائسن کا ایک بہت ہی خوبصورت اور برمحل جملہ لکھا ہے۔ ''جوں جوں میں کائنات کو دیکھتا ہوں اور اس کی ساخت کا مطالعہ کرتا ہوں، اتنا ہی میرے یقین میں اضافہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے ہماری آمد کی پیشگی اطلاع مل چکی ہوگی''۔ وہ مزید لکھتے ہیں۔ ''زندگی آسان شے نہیں۔ ساری کائنات میں جہاں تک فی الحال ہمارا علم کام کرتا ہے، ایک ہی ایسی جگہ ہے جو کہکشاں کی غیر واضح سرحد پر ہے اور جسے ہم کرہ ارض کہتے ہیں، جہاں اسے برداشت کیا گیا ہے مگر بہت عناد کے ساتھ''۔ قرآن کریم کی ایک پیش گوئی کے مطابق کائنات میں اس کرہ زمین کے علاوہ بھی زندگی موجود ہے 42:16۔ بتدریج ارتقائی عمل ایک ایسی حقیقت ہے کہ جناب فتح اللہ جیسے ناقدِ ارتقاء بھی ارتقائی سلسلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو کر لکھتے ہیں۔

"How is it possible that the Holly Quran Contains every modern knowledge about the universe and man that which recently discovered concerning the creation, evolution and the catastrophic collapse of universe."

قرآن مجید کے مطابق اللہ نے ہر جاندار شے کی ابتدا پانی سے کی 21:30، 25:24۔

جناب فتح اللہ ان آیات کو لکھنے کے بعد انسانی ارتقاء کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

"The above Holly verses indicate that in spite of millions of varieties of species of the living creatures on earth and of the great variety of molecules and chemical reactions produced by evolution, the basic and major constituent is water and that all living things are made of water and other chemical elements into the cell, The fundamental unit of life."

انہوں نے مغرب کی گھڑی ہوئی اس ''تحقیق'' کو مسترد کیا ہے کہ زمین پر زندگی کا بیج باہر کسی دوسرے سیارے سے بذریعہ راکٹ آیا تھا۔

رُوئے زمین پر کیمیائی ارتقاء جس کی طرف فتح اللہ نے اوپر اشارہ کیا ہے، کی ابتداء اس وقت ہوئی جب زمین کا درجہ حرارت اس سطح تک گر گیا کہ ایٹمز سے مرکبات کا بننا ممکن ہو گیا۔ قرآن مجید میں متعدد بار اس کا ذِکر آیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود نے اپنی کتاب

''مظاہرِ فطرت اور قرآن'' میں اسے ''سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کی کہانی سائنس کی زبانی'' 23:12 کا عنوان دیکر اس پورے سلسلے کی تشریح کی ہے جو بہت طویل ہے' یہاں پر کچھ بڑے بڑے مراحل کا ذِکر کیا جائے گا۔ سائنسدانوں کے مطابق زمین جب مناسب حد تک ٹھنڈی ہوگئی تو اس کی سطح پر ہلکے عناصر مثلاً کاربن' ہائیڈروجن' نائٹروجن اور آکسیجن رہ گئے۔ ان چار غیر نامی عناصر سے چھ مرکبات معرضِ وجود میں آئے جو یہ ہیں۔ (1)= H2o= پانی۔ (2) NH3= امونیا۔ (3) CO2= کاربن ڈائی آکسائیڈ۔ (4) HCN= ہائیڈروجن سی اے نائیڈ۔ (5) CH3= میتھین۔ (6) H2= ہائیڈروجن سالمہ۔ یہ ابتدائی مرکبات بھی غیر نامی تھے۔ پانی کے زندگی میں بنیادی رول کی وجوہات اس کی اپنی خصوصیات ہیں مثلاً بے جان اور زندگی خیز مادہ دونوں پانی میں آسانی سے حل ہوجاتے ہیں۔ پانی کے اندر 'Electrolytes' پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پانی کا سطحی تناؤ سخت ہوتا ہے۔ اس کی سیلانیت (Fluidity) بہت زیادہ ہے۔ پانی میں گرمی کو جذب کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے۔ زمین پر مائع حالت میں پانی کی موجودگی زندگی کے قیام اور ترقی کے لئے اشد ضروری ہے' اور اس کے لئے سورج سے زمین کا فاصلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر سورج سے زمین کا فاصلہ صرف دو لائٹ منٹس کم ہوتا تو زمین کا درجہ حرارت 470 ڈگری سنٹی گریڈ ہوتا جیسا کہ وینس سیارے کا ہے جس کے نتیجے میں زمین کا سارا پانی تحلیل ہوجاتا اور اگر یہ فاصلہ صرف دو لائٹ منٹس زیادہ ہوتا تو مریخ کی طرح زمین بھی ایک انتہائی سرد بنجر جگہ ہوتی۔ بل برائیس کا کہنا ہے کہ ''پہلے یہ خیال تھا کہ اگر انسان سمندر کی گہرائیوں میں جائے تو وہ پچک کر رہ جائے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ چونکہ ہم خود بھی پانی سے ہی بنے ہیں اور پانی کو دبانا ممکن نہیں۔ مشکل دراصل اس ہوا سے پیدا ہوتی ہے جو ہمارے جسم یعنی پھیپڑوں میں موجود ہے' پھیپڑے ضرور دبتے ہیں۔ زندگی کی نمود اور قیام میں پانی کی طرح کاربن کا بھی بڑا اہم کردار ہے۔ یہ ایک ایسا ہمہ دان مفرد ہے جس کا دوسرے مفردات کے ساتھ مل کر مرکبات بنانے میں کوئی ثانی نہیں۔

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے ارتقاء کا دوسرا دور زندگی خیز مادے کی اِبتداء کا دور ہے۔ مندرجہ بالا چھ غیر نامی مرکبات سے زندگی خیز مادہ کے بے شمار مرکبات وجود میں آئے۔ ان میں پانچ ارتقائی مراحل کے لحاظ سے اہم ہیں۔ (1) شوگرز۔ (2) گلیسرینز۔ (3) چربیلا تیزاب (4) امائنو ایسڈز۔ (5) نائٹروجن کی بنیاد پر مرکبات۔ ان زندگی خیز مرکبات میں دیگر عناصر کے علاوہ ہر ایک مرکب میں کاربن کی دو سے لے کر بیس زنجیریں شامل ہیں۔ بعد میں ان ابتدائی Organic مرکبات کے تعامل سے زیادہ پیچیدہ مرکبات وجود میں آئے۔ ان میں پانچ بڑے گروپ پیدا ہوئے جن کے ملاپ سے زندگی کا ظہور ہوا۔ یہ کیمیائی ارتقاء کا تیسرا مرحلہ تھا۔ ان پانچ زندگی خیز گروپوں کے نام یہ ہیں۔

(1) Adenosine Phosphates (2) Polysac charides (3) Fats (4) Proteins (5) Nucleic Acids

مندرجہ بالا واقعات کا تعلق سالماتی ارتقاء سے ہے۔ مختصر الفاظ میں زمین کے ابتدائی سمندروں میں سات قسم کے کیمیائی مرکبات بارش کے پانی سے ڈھل کر جمع ہو گئے۔ ان سات مرکبات میں دو بے جان مادہ سے تعلق رکھتے ہیں (1) پانی اور (2) معدنیات۔ اور پانچ کا تعلق زندگی بخش مادہ سے ہے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ کیمیائی ارتقاء کے اس مرحلے میں زندگی کی نمود ہوئی یعنی ان سات مرکبات سے خلیے (Cell) کا ظہور ہوا۔ خلیہ زندگی کی بنیادی اکائی کا نام ہے۔ اس کی پیدائش کے بعد بھی کیمیائی ارتقاء جاری رہا۔ اس مرحلے پر کائنات کی تخلیق کے دو ارتقائی ادوار جنہیں قرآنِ کریم یومین کہتا ہے مکمل ہو گئے اور خلیوں کی ابتداء سے زندگی کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد چار ادوار جنہیں قرآن پاک اربعۃ ایام کہتا ہے' وہ ہیں جن میں زندہ اشیاء کی ارتقاء کے چار مراحل طے ہوئے اور بالآخر ارتقاء انسان کی تخلیق تک جا پہنچا۔

قرآن پاک اپنی بات کو واضح طور پر سمجھانے کے لئے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو مختلف مقامات پر پھیر پھیر کر سامنے لاتا ہے۔ اسے تصریف آیات کہتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں آیا ہے کہ ''ہم اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کرتے ہیں تا کہ بات ہر گوشے اور ہر پہلو سے واضح ہو جائے'' 18:54' 17:41' 17:89۔ انسان کی تخلیق کے سلسلے میں بھی اللہ پاک نے یہی انداز برقرار رکھا ہے۔ مثلاً کہیں فرمایا کہ انسان کی تخلیق تراب سے کی 4:67 دوسری جگہ پانی سے 25:54 ایک اور جگہ طِیْنٍ سے 6:2 پھر ہے کہ طِیْنٍ لَّازِب سے 27:11 کہیں ہے کہ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ سے 23:12۔ کہیں ہے کہ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ سے 55:14 ایک جگہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ آیا ہے 15:26 کہیں نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ہے 7:189۔ کہیں مَّآءٍ مَّهِیْنٍ 32:8۔ دراصل یہ تمام ارتقائی مراحل ہیں جو انسان کی تخلیق سے قبل رونما ہوئے۔ البتہ نفس واحدہ کا عمل اب بھی جاری ہے۔ ارتقائی مراحل اور منازل کے متعلق مزید فرمایا ''تم یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو اور اس کے بعد شاہراہ حیات پر اسی طرح آگے بڑھتے اور بلند ہوتے جاؤ گے'' 84:19۔ ''ارتقائی منازل میں اسی تبدل و تحول کے متعلق دوسری جگہ فرمایا۔ اس نے تمہیں مختلف تخلیقی مراحل سے گذار کر انسانی پیکر تک پہنچایا'' 71:14۔ ان طویل ارتقائی مراحل میں انسان نام کی کوئی قابل ذکر شے موجود نہیں تھی' فرمایا ''بے شک انسان پر زمانے میں ایسا وقت بھی گذرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذِکر شے نہیں تھا 76:1۔ انسان کی تخلیق خدا نے اسی ارض سے کی 53:32۔ ''ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اسی میں تمہیں گردشیں دے رہے ہیں اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے'' 20:55۔ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے عزت و وقار کے آرزومند نہیں ہوتے اور یقیناً اس نے تمہیں مختلف مراحل سے گذار کر پیدا کیا۔ اور تمہیں زمین سے اُگایا پوری طرح جما کر' پھیلا کر 17-71:13۔ اللہ نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنا دیا 7:189' 30:20-21' 4:1' 38:6' 42:11۔ ''ہم نے ہر شے کے جوڑے بنائے 51:49' 43:12۔ نفس واحدہ اور جوڑوں پر آگے بات ہو گی۔ اللہ نے تجھے پیدا کیا پھر ہر طرح سے درست کیا پھر (اعضاء اور

جوارح میں تناسب پیدا کیا 82:7 یہاں لفظ ''فَسَوّٰکَ'' آیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے نزدیک تسویہ اور ارتقاء ایک ہی چیز ہے۔ وہ آیات 15:28-29 کی تشریح یوں کرتے ہیں ''یہاں لفظ سَوّیتہ (میں اسے مکمل کرلوں) خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق یکا یک نہیں ہوئی بلکہ ادنیٰ حالتوں سے اعلیٰ کی طرف ترقی کر کے ہوئی ہے''۔ اللہ نے انسان کو بہترین حالت میں پیدا کیا یعنی احسن تقویم بھی 95:4 اور احسن صور بھی 64:2-3 اس طبیعی ارتقاء کے بعد انسان کو نفس یا ذات عطا کر کے بھی اختیار اور ارادہ کے جوہر سے نواز کر اسے ایک امتیازی حیثیت دے دی۔ یہاں پہنچ کر سلسلہ اِرتقاء کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر الگ ہو جاتی ہے۔ اس نفخ روح 15:29 کے بعد انسان (خلقاً آخر) ایک دوسری (Another) مخلوق بن گیا 23:14۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے لئے خَلَقَ کے لفظ کے علاوہ فاطَرَ اور بَدَعَ کے الفاظ بھی قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔ خَلْقٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کو بنانے' کاٹنے یا اندازہ لگانے کے ہیں یعنی مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دے کر ان سے اور چیزیں پیدا کرتے چلے جانا۔ اس لحاظ سے انسان بھی خالق ہے۔ اس کے برعکس فَاطِرٌ یا بَدِیْعٌ کے معنی ہیں کسی شے یا عنصر کو پہلے پہل وجود میں لانا۔ یہ صفات صرف خدا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بَدِیْعٌ صرف کائنات کی تخلیق میں فرمایا ہے 2:117 اور فَاطِرٌ بھی کائنات کے بارے میں 6:80' 12:101۔ لیکن انسان کی تخلیق میں' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' صرف خَلْقٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی انسان کی پیدائش سے پہلے ضروری عناصر ارتقاء کے بعد ایسی حالت میں موجود تھے جن سے انسان خلق ہوا۔ اس کی تخلیق کیسے ہوئی! قرآن حکیم کے آغاز میں ہی اس کی تفاصیل ''قصہ آدم'' کی صورت میں موجود ہیں۔ اکثر مترجمین اور مفسرین نے اس قصہ کو ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ لیکن کچھ مفکرین' جن میں علامہ جاحظ' ابن مسکویہ' مولانا رومیؒ' البیرونی' علامہ اقبالؒ' علامہ پرویز' ڈاکٹر رفیع الدین' اور کئی دوسرے نابغہ حضرات شامل ہیں' نے اسے ایک تمثیلی قصہ کے طور پر لیا ہے۔ اور اسی رعائت سے اس کی علمی اور فکری تشریح و توضیح کی ہے۔ جناب فتح اللہ نے اسے ایک ٹھوس واقعہ قرار دے کر اس پر روائتی انداز میں بحث کی ہے۔ فتح اللہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں کچھ حقائق مجازاً' استعاراً اور کنایتاً بھی بیان ہوئے ہیں جن سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی آیات 31:27' 6:12' 31:20 اور 10:5 کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آیتیں:۔

'Give wisdom and guidence reveal to mankind symbolically as well as directly the infinite knowledge, the infinite power, the infinite wisdom...."

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"Scientists, religious scholars and men of knowledge the world over, may objectively sutdy the allegorial and clear revelation made by Allah in the

Quran."

مگر ایسا تسلیم کرنے کے باوجود انہوں نے قصہ آدم کو لفظی (Literal) معنوں میں لیا ہے۔

ارضِ پاکستان کے ایک بلند پایہ دینی سکالر جناب رحمت اللہ طارق اصنافِ سخن پر بات کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تفسیر برہان القرآن'' میں رقمطراز ہیں کہ ''ادبیات کے اسی معیار کو ملحوظ رکھئے تو یہ حقیقت ''مسلمہ'' نظر آئے گی کہ قرآن پاک اس عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی طرح تمام اصناف سخن سے مالا مال ہے' اس میں ایجاز ہے۔ اختصار ہے۔ حذف ہے۔ تقدیر ہے۔ ضرب الامثال ہیں۔ محاورے ہیں۔ مکررات ہیں۔ تصریف آیات ہے۔ فنون کلام ہیں۔ وسیع تر استعمالات ہیں۔ حقیقت ہے۔ مجاز ہے۔ تشبیہات ہیں۔ استعارے ہیں۔ فحوائے کلام ہے۔ کنائے ہیں۔ مطلق الفاظ ہیں۔ مقید مفاہیم ہیں۔ غرضے کہ وہ سب کچھ ہے جو اصناف سخن اور ادبیات عالیہ میں شامل ہے۔ اور ان سب پر فصاحت و بلاغت ایضاح اور ابلاغ مستزاد''۔ وہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب فرما دیں کہ قرآن پاک صرف ''ایک'' ہی صنفِ سخن پر نازل ہوا ہے تو اِس سے بڑھ کر' ستم ظریفی اور ''ہٹ دھرمی'' کا مظاہرہ نہیں ہوسکتا''۔ اِس موضوع پر امام الحرمین جوینی اور ابن جریر طبری نے بھی بڑی مفید معلومات دی ہیں علامہ پرویز نے بھی محکمات اور متشابہات پر بحث کے دوران اس موضوع کی یوں وضاحت کی ہے۔ ''تشبیہہ کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی ملتی جلتی چیز سے مثال دے کر بیان کرنا۔ تشبیہات۔ تمثیلات (Parables) استعارات کے الفاظ ہمارے ہاں عام استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا محکمات وہ آیات ہونگی جن میں الفاظ کے 'Litral' معانی لئے جائیں اور متشابہات وہ آیات جن میں "Figurative" - Allegorical"Metaphorical" اور "Symbolical" انداز میں آئے ہوں انہیں مجازی معانی بھی کہا جاتا ہے''۔ اس کی مثال انہوں نے لفظ اُمّ (ماں) سے دی ہے۔ آیت 4:23 میں لفظ اُمَّھٰتُکُمْ آیا ہے جہاں اس کے لفظی معنی یعنی تمہاری مائیں ہی لئے جائیں گے لیکن آیت 3:6 میں لفظ اُمّ الکتاب کے معنی مجاز آجائیں گے یعنی کتاب کی اصل واساس۔ یہ بڑا نازک معاملہ ہے اس لئے اس طریقے کو بڑی احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے۔ چنانچہ علامہ پرویز نے تنبیہہ بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ 'تاویل کا لفظ ہمارے ہاں اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا عام مفہوم لیا جاتا ہے قرآنی آیات کو کھینچ تان کر ان کے اپنے مفید مطلب معانی متعین کرنا۔ ایسا کرنا میرے نزدیک معیوب و مذموم ہی نہیں' شرک ہے۔ قرآنی آیات کا وہی مفہوم لینا چاہئے جو خود قرآن نے متعین کیا ہو خواہ وہ آپ کے مفاد حتیٰ کہ عقیدہ' مسلک یا نظریہ کے مطابق ہو یا اس کے مخالف''۔

جناب فتح اللہ نے بہرحال جنت' فرشتے آدم اور اس کی بیوی وغیرہ کا ذکر روائتی انداز میں ہی کیا ہے۔

البتہ جنات کے بارے میں انہوں نے یکسر نئی تشریح یا تفسیر کی ہے۔ آدم اور اس کی بیوی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

"The first creatin of life originated out of non living clay when "Allah said Be!

and Adam was created" and then his spouse was created out of his rib."

آدم کی پسلی سے اس کی بیوی کی پیدائش کا ذِکر قرآن پاک میں آیا ہی نہیں تو یقیناً یہ قرآن کی تشریح نہیں ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ آدم کی پیدائش ہمارے نظام شمسی، ہماری کہکشاں بلکہ ہماری کائنات کی حدود سے باہر جنت کے باغوں میں ہوئی جہاں کائناتی قوانین لاگو نہیں ہوتے۔ جنوں کی پیدائش کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''قرآن مجید نے ایک اور مختلف مگر باشعور مخلوق کا بھی انکشاف کیا جسے انسان نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی تکوین اور رہنے کا زون مختلف ہے۔ جنوں کی پیدائش ایک حقیقت ہے لیکن انسانی ذہن اور حواس اس کا تصور (Perceive) نہیں کر سکتے''۔ جنوں کی پیدائش بغیر دھویں کی آگ سے ہوئی۔

"Jinns are created out of smokeless fire as man is an altered form of living matter...."

جن اپنی ہیت کو اپنی مرضی سے تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ انسان اور جن ایک جگہ نہیں رہ سکتے اس لئے وہ غالباً سیارہ زحل کے دائروں میں رہائش پذیر ہیں جو انتہائی گرمی کی وجہ سے ان کے لئے موزوں ترین جگہ ہے۔ "Like the rings aroud the planet saturn" وہ مزید کہتے ہیں کہ ''درحقیقت کچھ نادیدہ رکاوٹوں کی وجہ سے انسان اور جن ایک دوسرے کے بارے میں نہ محسوس (Feel) کر سکتے ہیں نہ ایک دوسرے کو Perceive کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت (interfere) کر سکتے ہیں''۔ دونوں کے لئے الگ الگ قوانین ہیں بلکہ "Man is a miracle to Jinn and Jinn is a miracle to man." حیرت تو یہ ہے کہ جنوں کے لئے ہماری زمین میں رہنا ممکن ہی نہیں تو بقول فتح اللہ کے وہ حضرت سلیمانؑ کے یہاں کام کیسے کرتے تھے۔ جنوں کے بارے میں فتح اللہ صاحب نے پورے دو باب لکھے ہیں جن میں اسی طرح کی نئی تشریحات کی ہیں۔ جنوں کی ایسی تشریح اور آدم کی پسلی سے اس کی بیوی کی پیدائش جیسی ''تحقیقات'' کے بعد بھی ان کا دعویٰ ہے کہ

"Science in agreement with the Holy Quran on reproduction of human life, Creation of Adam as the first human being and his spours sown broadcast in the earth."

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آئن سٹائن، نیوٹن اور ہبل کے سائنسی تصورات اور قوانین قرآن پاک سے اتفاق کرتے ہیں۔ ایسا کہنا بھی مبالغہ آرائی ہے۔ ان قابل احترام سائنسدانوں کے علاوہ دیگر سائنسدانوں اور فلاسفہ کے تمام نظریات کی قرآن مجید نہ تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی تمام تصورات کو مسترد کرتا ہے۔ انسانی اِکتسابی علم چونکہ بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے اپنی تکمیل کی جانب بلند ہو رہا ہے اِس لئے اس میں غلطی اور (Immaturity) کا احتمال موجود رہتا ہے۔ جبکہ وحی کا علم اٹل، حتمی اور سراسر حق ہے اس لئے انسانی علم کو

کسی پہلو سے بھی علم وحی کے ساتھ مساوی درجہ نہیں دینا چاہئے۔ انسان کے وہی نظریات وعلوم صحیح ہوں گے جن کی تصدیق قرآن پاک کرے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ان کو علمی صداقتیں کہتے ہیں۔ میں اپنے اس خیال کا اظہار کسی گذشتہ مضمون میں کر چکا ہوں کہ سائنس کو وحی (دین) کے مقابلے میں حریف کی طرح پیش نہیں کرنا چاہئے۔ جناب یحییٰ نے آئن سٹائن کا ایک نامکمل جملہ لکھا ہے کہ ''سائنس بغیر مذہب کے لنگڑی ہے''۔ پورا جملہ یوں ہے۔ ''مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے''۔ فتح اللہ نے پورا جملہ لکھا ہے۔ اگر آئن سٹائن نے ایسے کہا ہے تو ان کے سامنے وحی اپنی اصلی شکل میں نہیں تھی لیکن ان حضرات کو ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ علم وحی تو انسانی علوم کی راہنمائی کے لئے ہے۔ اور کسی بھی دوسرے علم کی محتاج نہیں۔ لہٰذا درست نتائج کے حصول کے لئے انسانی علوم' انسانی اعمال' انسانی عقل' انسانی سوچ' انسانی ضمیر' انسانی ذوق حتیٰ کہ انسانی وجدان کو وحی کی راہنمائی وہدایت کے تحت رکھنا لازمی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے قصہ آدم کی لفظی نہیں بلکہ مجازی (alligorically) تشریح کی ہے۔ وہ خطبات میں لکھتے ہیں۔ ''قرآن مجید میں جب کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کا مقصد بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ کسی تاریخی واقعہ کا ذکر کیا جائے۔ اس سے عموماً کوئی عالمگیر اخلاقی سبق دیا جاتا' یا کوئی عالمگیر فلسفیانہ حقیقت اجاگر کی جاتی ہے''۔ انہوں نے قرآن پاک اور عہد نامہ عتیق (تورات) میں موجود قصہ آدم کی روایات میں فرق اور اختلاف کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یعنی قرآن کریم نے اِس ضمن میں سانپ کا ذِکر نہیں کیا جو تورات میں موجود ہے۔ ''اس لئے کہ قصہ مذکور کو اس کے جنسی ماحول سے الگ کرنا مقصود تھا'' اسی طرح قرآن مجید نے پسلی کا مطلق ذِکر نہیں کیا۔ کیونکہ ''قرآن مجید کی نظر عہد نامہ عتیق کی طرح کسی تاریخی واقعے پر نہیں''۔ وہ مزید فرماتے ہیں۔ ''یوں بھی بحیثیت ایک ذی روح' انسان کی آفرینش کا جہاں بھی ذِکر آیا ہے' قرآن پاک نے اس کے لئے ''بشر'' اور ''انسان'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں'' ''آدم'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ لفظ آدم سے مقصود تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ انسان کے اندر نیابت الٰہیہ کی صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا قرآن پاک نے وہ تمام اسمائے معرفہ حذف کر دیئے جو عہد نامہ عتیق کی اس آیت میں مذکور ہیں۔ آدم کا لفظ بے شک حذف نہیں ہوا' لیکن یہاں اس کا اشارہ کسی مخصوص انسان کی طرف نہیں۔ اس کی حیثیت ایک تصور کی ہے جس کی تائید قرآن پاک سے ہی ہو جاتی ہے۔ مثلاً 7:11''۔

ہبوطِ آدم کی وضاحت بھی بڑی تفصیل سے کرتے ہیں۔ ''لہٰذا قرآن مجید نے ہبوط آدم کا ذکر کیا ہے تو اس لئے نہیں کہ کرہ ارض میں انسان کا ظہور کس طرح ہوا۔ اس کے پیش نظر حیات انسانی کا وہ ابتدائی دَور ہے جب اس کی جبلی خواہشات کا غلبہ تھا اور جس سے گذر کر اس نے رفتہ رفتہ محسوس کیا کہ وہ اپنی ذات میں آزاد اور اس لئے شک اور نافرمانی دونوں کا اہل ہے۔ مختصراً یہ کہ ہبوط کا اشارہ کسی پستی کی طرف نہیں' اس کا اشارہ اس تغیر کی طرف ہے جو شعور کی صاف سادہ حالت میں شعورِ ذات کی اولین جھلک سے اس نے اپنے اندر محسوس کیا''۔

علامہ پرویز نے بھی قصہ آدم کو ایک مخصوص واقعہ کی حیثیت سے نہیں لیا۔ بلکہ اسے خود آدمی (The Man) کی سرگزشت کے

طور پر لیا ہے نہ کہ کسی خاص فرد کی داستانِ زندگی کے طور پر۔ انہوں نے اس قصہ سے متعلقہ تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء وافراد پر اپنی مشہور کتاب ''ابلیس و آدم'' میں تفصیلی بحث کی ہے۔ مثلاً آدم وحوا، شیطان وابلیس، خلافت ونیابت، جن وانس۔ علم الاشیاء، اختیار وارادہ، شجر، سجدہ، ملائکہ، ارتقاء، نبوتِ آدم، جنت کی زندگی، ہبوطِ آدم، فردوس گم گشتہ کی بازیابی، لغزشِ آدم جیسے تمام موضوعات کو اپنی بحث کی بنیاد بنایا ہے۔ آدم کی آمد کو انہوں نے بڑے ڈرامائی اور رومانوی انداز میں پیش کیا ہے چند متفرق جملے ملاحظہ کریں۔ ''حسن کے ذوقِ نمود نے انگڑائی لی۔ خطیرۂ قدس کی ملکوتی فضاء میں ہلکا سا تموج پیدا ہوا۔ ملاءِ اعلیٰ کے حریم ناز کے حریری پردوں میں غیر محسوس سی جنبش نظر آئی''۔ ''دُور جانبِ عرشِ عظیم سے ''کُن'' کی تخلیقی آواز نے اس طلسمِ سکوت کو توڑا۔ عدم کے پردے اٹھنے لگے اور افق کے اس پار، عالم امر سے، نگارخانۂ کائنات نے خاموشی سے ابھرنا شروع کیا''۔ ارتقائی عمل کا ذِکر یوں کرتے ہیں۔ ''ہیولائے کائنات ابھرنے کو تو اُبھرا لیکن بڑا بے کیف اور بہت ہی بے رنگ۔ آہستہ آہستہ اس کے بکھرے ہوئے ذروں میں ربط وضبط پیدا ہونا شروع ہوا۔ ربط وضبط سے اس خاکہ میں کچھ رنگینیوں کے آثار محسوس ہونے لگے۔ منتشر رنگینیوں نے آہستہ آہستہ ایک نقطہ پر مرکوز ہونا شروع کیا۔ بکھری ہوئی شوخیاں سمٹ کر بجلیاں بننے لگی۔ جنت کی حوروں نے کن اکھیوں سے باہم اشارے کئے۔ نوامیس فطرت کی نگاہوں میں ہلکا سا تبسم پیدا ہوا۔ زمین کانپی آسمان تھرتھرایا۔ چاند کا ساغر زریں چھلک گیا۔ ستاروں کے ننھے سے دل دہل گئے۔ فضا میں ایک شور اٹھا اور ؎

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور — خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بآغوشِ حیات — چشم واکرد و جہانِ دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ درخاک تپیدم ہمہ عمر — تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

حوروں نے نغمہ تبریک گایا۔ فرشتوں نے سر جھکایا۔ ارض وسمٰوت نے اپنی باجگزاری کا خریطہ پیش کیا۔ ابلیس نے مقابلہ کا چیلنج دیا اور یوں یہ عالم بے کیف، دنیائے رنگ وبو اور جہانِ سوز وساز بن گیا''۔ تخلیق کائنات اور ارتقائے آدم سے متعلقہ بڑی بڑی طویل تحریروں کا یہ مختصر سا اقتباس پرویز صاحب کا زیر بحث موضوع پر نقطہ نگاہ سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین نے بھی زیر بحث قصے کو مجازاً لیا ہے وہ ''قرآن اور علم جدید'' میں لکھتے ہیں۔ ''قصہ آدم دراصل کوئی سلسلۂ واقعات نہیں بلکہ واقعات کی شکل میں فطرت اِنسانی کے حقائق کا ایک وسیع وبلیغ درس ہے''۔ ''اس قسم کے قصص کی کچھ اور مثالیں بھی قرآن کے اندر موجود ہیں۔ اگر ہم انہیں واقعات کہیں تو وہ عالم معنوی یا عالم مثال کے واقعات ہیں۔ اور عالم مثال اس دنیا کا وہ مجمل ذہنی تصور ہے جسے خدا نے بعد میں اس کائنات کی صورت میں مفصل طور پر ظاہر کر دیا ہے''۔ ''قصہ آدم میں فرشتوں سے خدا کا کلام کرنا ایسا نہیں جیسا کہ ہمارا ایک دوسرے سے کلام کرنا ہے''۔ الہامی کتابوں کے بارے میں کہتے ہیں۔ ''الہامی کتابوں کا مقصد آدرش کے

انتخاب میں انسان کی ہدایت ہے۔ وہ حقائق کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ فلسفیانہ موشگافیوں اور تفصیلات اور جزیات میں پڑے بغیر ان کا تعلیمی پہلو یا سبق یا ان کا وہ مجموعی اثر یا مطلب جو انسان کی ہدایت سے تعلق رکھتا ہے پوری قوت سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا الہامی کتابوں میں حقائق کو ایک قصہ کی شکل دی جاتی ہے۔ اور اُن کو ایک ڈرامائی طرز سے پیش کیا جاتا ہے''۔ وہ ارتقاء کے بارے میں قرآنی آیات مثلاً 32:1-4,5-8، 23:12، 96:2، 15:28-29، 4:1، 75:8، 19:30 اور دیگر آیات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''یہ تمام حقائق مل کر صرف یہی ثابت نہیں کرتے کہ قرآن ارتقاء کا مخالف نہیں بلکہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن ارتقاء کے نظریہ کی تعلیم دیتا ہے''۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' انہوں نے ایمبا (Amoeba) کی پیدائش کو ایک اہم واقعہ قرار دیا تھا۔ اسی طرح وہ انسان کی آمد کو بھی ایک اہم پیش رفت سمجھتے ہیں۔ وہ ''آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' میں رقمطراز ہیں۔

"The coming of man was another momentous event in the history of life because now life once again embarked on a fresh career of progress entirely different form that immedisdtely proceded it."

ڈاکٹر انعام الحق اپنی کتاب ''نظریہ خیر'' میں کہتے ہیں کہ دور حاضر کے علمائے طبعیات اور قرآن کریم میں اس حد تک تو اتفاق ہے کہ انسان جس شکل میں آج موجود ہے اپنی ابتدائی شکل میں موجود نہیں تھا۔ لیکن ''اس تائید و توافق کے باوجود حکمائے مغرب اور قرآن کے نظریہ میں بنیادی فرق ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں میں ہم آہنگی ہونا ناممکن ہے۔ حکمائے مغرب کے نزدیک زندگی غیر نامی (Inorganic) مادہ میں بعض کیمیائی اور طبعیاتی تبدیلیوں سے اتفاقی طور پر پیدا ہوگئی۔۔۔۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی رُو سے نہ زندگی بے جان مادہ میں کیمیائی اور طبعیاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے اور نہ ہی انسانی شعور حیوانی دماغ کے میکانکی ارتقاء کی اگلی منزل۔ زندگی اور شعور تخلیقِ خدا کی حکمت میں پوشیدہ ہے''۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''قرآنی نظریہ ارتقاء میں حکمائے مغرب کے نظریہ کے برعکس اب انسان کا مزید ارتقاء ہوگا اور وہ نئی سطح میں جسے نفخ من روحہ سے متعین کیا ہے۔ یعنی انسان کی موجودہ سطح دو حصوں سے مرکب ہے۔ ایک خالص طبعی ارتقاء کا نتیجہ ہے جسے انسان کا طبعی جسم کہنا چاہئے۔ اس کی نشوونما اس قانون کے مطابق ہوگی جو حیوانی زندگی کو محیط ہے۔ دوسری وہ سطح جو نفخ روح'' سے ظہور میں آتی ہے''۔ علامہ اقبالؒ کی عبارت کا ایک اقتباس دینے کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں۔ ''اس طویل اقتباس اور ذات کی بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسان کی حقیقی خواہش یہی ہے کہ وہ ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچنے کی کوشش کرے جہاں نہ صرف اسے بقا حاصل ہو بلکہ مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے مواقع بھی میسر ہوں''۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد اکرم راٹھور
قائم مقام چیئرمین
ادارہ طلوع اسلام لاہور

آہ! یوسف علی ضیاء (خان جی) بھی رُخصت ہو گئے

محترم یوسف علی ضیاء خان کے سانحۂ ارتحال کی خبر علی الصبح 24 اگست کو کینیڈا سے محترم عمران شاہد صاحب کی زبانی فون پر سنی تو دِل دھک سے رَہ گیا۔ محترم عمران شاہد دیر تک غم آگیں لہجہ میں خان جی علیہ الرحمہ کی دل فریب شخصیت کے متعلق باتیں کرتے رہے جس سے ہمارے دِل میں موجود اُن کی عظمتِ کردار کے تاثر کو مزید تقویت ملتی رہی۔ بعدازاں محترم محمد اقبال صاحب نمائندہ بزم کراچی صدر نے بھی فون پر ادارہ کو مطلع کیا اور بتایا کہ انہوں نے کراچی میں خان جی سے آخری ملاقات چند دِن قبل اُن کی عیادت کے لئے کی تھی۔ بعدازاں محترم محمد رشید بٹ صاحب نے بتایا کہ وہ، محمد اقبال صاحب اور کرنل خان ادیب صاحب ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ ان کی تدفین 24 اگست بعد از نماز مغرب DHA کراچی کے قبرستان میں ہوئی۔ چونکہ ماہنامہ طلوع اسلام بابت اکتوبر 2013ء طباعت کی غرض سے پریس بھیجا جا چکا تھا بلکہ طبع ہو گیا تھا اس لئے شمارہ اکتوبر میں یہ خبر شامل اشاعت نہ ہو سکی۔

محترم یوسف علی ضیاء صاحب کا، جنہیں اہل خاندان اور سب احباب احترام و محبت کے تقاضا کے پیش نظر ''خان جی'' کہہ کر مخاطب ہوتے تھے، پرویز علیہ الرحمہ سے تعارف 1947ء میں ہی ہو چکا تھا۔

خان جی بزمِ طلوع اسلام کراچی صدر کے تاحیات رُکن تھے اور بزم طلوع اسلام ٹورانٹو، کینیڈا کے بھی شروع سے ہی روح رواں رہے۔

ادارہ طلوع اسلام کی ابتدائی سرگرمیوں کی فوٹو گرافی بھی انہیں کی مرہون منت ہے۔ غرضیکہ اس گوہر تابناک کے کس کس پہلو کو زیر بحث لایا جائے۔ اس کے لئے تو ایک طویل کتاب کی ضرورت ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ادارہ طلوع اسلام ان کی اہلیہ محترمہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

☆.....☆.....☆

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی
ایگزیکٹو ہیڈ طلوع اسلام ٹرسٹ

خان جی ـــــ یوسف علی ضیاء صاحب

خان جی ـــــ یوسف علی ضیاء صاحب ـــــ ایک سو دو (102) سال کی بھرپور اور متحرک زندگی گذار کر اِس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ بجا طور پر بابائے طلوع اسلام کہلانے جانے کے مستحق ہیں۔ طلوع اسلام کے ابتدائی دور سے متعارف ہونے اور اپنے پشاور قیام کے زمانہ سے فکرِ قرآنی کی وسعت آشنائی میں مصروف رہے۔ پشاور، لاہور، کراچی اور کینیڈا کے احباب اور بزم ہائے طلوع اسلام اُن سے دلبستگی اور وابستگی کے بجا طور پر دعویدار ہیں کہ اُن کی بے پایاں شفقت ہر جگہ یکساں اور وافر سایہ فگن رہی۔

وہ پاکستان میں نہایت ہی اہم سرکاری ذمہ داریوں کے حامل رہے اور اُن کا خاندان کاروباری لحاظ سے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ پرویز صاحب کے ساتھ اُن کے مراسم جتنے علمی و فکری تھے، اتنے ہی ذاتی نوعیت کے رہے۔ وہ تحریک طلوعِ اِسلام کے معاملہ میں اپنی تمام صلاحیتیں وقف کئے رہتے۔ خان جی کو طلوعِ اِسلام کے ابتدائی زمانہ کے فوٹو گرافر ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا کہ اُس زمانہ میں ذاتی کیمرہ گنتی کے چند لوگوں کے پاس ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اِس ریکارڈ کو نہ صرف اپنا سرمایۂ حیات بنا کر سنبھالا بلکہ حالات کے تقاضوں کے مطابق اُس کی مزید حفاظت کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ آڈیوز، ویڈیوز اور تصاویر کے حوالہ سے جب کبھی ریکارڈ مکمل کرنا ہوتا تو طلوعِ اِسلام ٹرسٹ کی صرف ایک اطلاع پر اُس کا اہتمام کر دیتے۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ مطلوبہ چیز پاکستان میں دستیاب نہ ہوتی تو وہ بیرونِ ممالک سے اُس کا حصول ممکن بنا کر ممنونِ احسان کرتے۔

بلا تکلف لہجہ اور اندازِ گفتگو اُن کی پروقار شخصیت کا اہم جزو تھا۔ عمر کے آخری حصہ تک خوش لباسی اُن کا خصوصی وصف رہا۔ ہم سب کے لئے وہ بہت محترم تھے لیکن اپنائیت کا ایسا انداز روا رکھتے کہ اُن کے ساتھ بے تکلفی سے بات ہوتی۔ حساب کتاب کے معاملہ میں گہری توجہ رکھتے، سال بعد بھی ملاقات ہوتی تو رسیدات اور حساب کتاب سامنے رکھ کر ہر معاملہ کلیئر کرتے۔ طلوعِ اِسلام ٹرسٹ کے دفاتر تشریف لاتے تو اپنے نوٹس نکال کر منظّم گفتگو فرماتے اور ہر پہلو پر نہایت ہی متوازن رائے پیش کرتے۔

وضعداری اور مہمان نوازی بھی اُن کی عظیم شخصیت کا اہم پہلو رہا ہے۔ کراچی صدر بزم کے دفتر کی افتتاحی تقریب میں پاکستان بھر سے رفقاءِ قرآنی شریک ہوئے۔ پروگرام کے اختتام پر خان جی نے کراچی ڈیفنس کلب میں سمندر کنارے جو پُرتکلف اور شاندار عشائیہ دیا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔

گذشتہ کچھ عرصہ سے اُن کا لاہور آنا ممکن نہ ہو سکا تھا۔ کراچی اور ٹورانٹو کے احباب کو اُن کی راہنمائی میسر تھی جس سے محرومی کا احساس انہیں پریشان کر رہا ہے۔ عمر کی ایک سو دو بہاریں دیکھ لینے کے بعد بھی اُنہوں نے اپنی شخصیت اور چہرے پر بڑھاپے کو طاری نہیں ہونے دیا تھا۔ جس بھرپور انداز سے خان جی نے زندگی کو جیا ایسا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں مقامِ بلند عطا فرمائے اور اُن کے خاندان، رفقاء بزمہائے طلوعِ اسلام کراچی صدر اور ٹورانٹو کینیڈا کو صبرِ جمیل عطا کرے (آمین)۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رشید بٹ ایڈووکیٹ

اِیک قندیل ربانی اور بجھی

محترم یوسف علی ضیاء خان کے انتقال کی الم انگیز خبر 24 اگست کو سنی تو احساس ہوا کہ اِک قندیل ربانی تھی جس کے گُل ہو جانے پر تحریک طلوع اسلام کو آئندہ برسوں میں ایک بڑا خلاء محسوس ہوگا جو کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ تحریک کے لئے سال 2013ء پے در پے صدمات کا ثابت ہوا ہے۔ قبل ازیں محترم مقبول محمود فرحت، میاں اقبال سرور، محترم قدیر احمد خان تو پھر محترم عطا الرحمٰن ارائیں اور اب محترم یوسف علی ضیاء خان ایسے عظیم احباب اور قد آور شخصیات کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے۔

محترم یوسف علی ضیاء صاحب کو خاندان میں خان جی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ احباب بھی آپ کو احترام اور توقیر کے پیش نظر خان جی کہتے تھے۔ آپ تحریک کے محض رکن ہی نہ تھے بلکہ آپ نے تحریک طلوع اسلام کو پیش آمدہ مشکلات اور دیگر رکاوٹوں کو دُور کرنے میں حد درجہ تعاون اور ایثار سے کام لیا۔ مسائل اور معاملات کی پیچیدگیوں کو وہ خوب سمجھتے تھے، استقلال اور جرأت کے پیکر تھے ادارہ، ٹرسٹ اور احباب کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے معاملات سے لمحہ بہ لمحہ آگاہ رہتے تھے۔ سول سوسائٹی میں وسیع تر تعلقات رکھتے تھے اس طرح تمام معاملات کو بخیر و خوبی سرانجام دیتے تھے۔ ادارہ کو عطیات سے نوازنا اور اپنی رفیقۂ حیات کو بھی اس خیر کے عمل میں برابر کا شریک رکھنا ان کی زندگی کا قابل ذکر پہلو تھا۔

علامہ پرویزؒ کو خان جی پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ خان جی کو ہر اہم معاملہ میں اعتماد میں لیتے تھے۔ بابا جیؒ نے جب بھی پاکستان کے شمالی علاقے میں جانے کا پروگرام بنایا تو اس سلسلہ میں دیگر تمام انتظامات خان جی دیکھتے تھے۔ تحریک کے آئندہ دَور میں جو احباب آئیں گے، جو آج موجود نہیں، ان کی اطلاع کے لئے ہے کہ بابا جیؒ کی لائف، جس قدر تصاویر (Pics) میں دکھائی دیتی ہے اس کے خالق جناب خان جی تھے۔

خان جی کا شمار ان معدودے چند اشخاص میں ہوتا ہے جن کا بابا جیؒ سے تعارف اور تعلق قیام پاکستان کی تشکیل کے وقت ہو گیا تھا۔ آپ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری کے دوران ایک اعلےٰ پوزیشن پر فائز تھے، انجینئرنگ کے شعبہ سے وابستہ تھے۔ پاکستان میں بھی اعلےٰ منصب پر فائز رہے۔ ان واقعات کا تذکرہ نہ کرتے تھے۔ اصول کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر دو تجربات میں بعض ضمنی واقعات کا جب ذکر کرتے تو احساس ہوتا کہ ہمارے ہاں تو اعلےٰ منصب پر بیٹھے لوگ عقل و فکر کا استعمال کرنا قدامت پرستانہ فعل جانتے ہیں۔ جبکہ خان جی تو کیا انگریز، کیا ہندو اور کیا پاکستان کے طاغوت سب کو کہہ دیتے تھے کہ تمہارا نظام اپنے

ہاتھوں خودکشی کرے گا۔ وہ اپنے پیچھے ایک شاندار اور مثالی ریکارڈ چھوڑنے کے بعد تحریک کی خدمت میں جت گئے۔

آپ نے قرآن کے پیغام کو دُنیا کے دوسرے کنارے (ٹورنٹو' کینیڈا) تک پہنچایا۔ آپ ہی بزم ٹورنٹو کینیڈا کے بانی اور رُوحِ رواں تھے۔ کینیڈا میں رہتے ہوئے آپ نے تبلیغ قرآن اور قرآنی نشرواشاعت کے سلسلہ میں جدید اسالیب اختیار کئے۔ دُنیا میں جہاں جس کو قرآنی لٹریچر اور سی ڈی وغیرہ کی ضرورت پڑتی اور ایسی خبر خان جی تک پہنچ جاتی تو بس ڈیمانڈ کرنے والا خان جی کا ہی ہو جاتا۔ اس کی ایک مثال' خان جی نے بزم کراچی کی تعمیر وتزئین کے لئے وافر مقدار میں عطیات سے نوازا اور دیارِ غیر سے اپنے حلقہ ارادت سے ایک کثیر رقم فراہم کی۔ اس کا تذکرہ کوئی دوسرا شخص کرسکتا ہے' بزم کراچی سے وابستہ فرد اس امر کی تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتا۔ البتہ خان جی کی شخصیت کا ایک پہلو' ان کی مہمان داری اور خاطر مدارات تھا' اس کا تذکرہ کرنا ناگزیر ہے۔ آپ گاہے گاہے کینیڈا سے پاکستان تشریف لاتے تو احباب بزم کراچی کی خاطر مدارات کا شایان شان اہتمام کرتے' یہ ان کی خاندانی روایاتِ مہمان داری کا ثبوت تھا۔ آپ کے ہونہار فرزند انجینئر صلاح الدین اس معاملے میں خان جی سے آگے آگے رہتے۔ صلاح الدین بہت مصروف آدمی ہیں وہ ایک وسیع کاروبار کو دیکھ رہے ہیں۔ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ بابا جیؒ کی بعض ضروریات کا بھرپور خیال رکھنا انہوں نے فرض سمجھا۔ بابا جیؒ خان جی کے صاحبزادے صلاح الدین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے تھے۔

خان جی نے اپنے اہل خانہ کی اعلیٰ روایات پر مبنی طرزِ زندگی کی بنا رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاندان کے بچوں نے اعلیٰ تعلیم وتربیت حاصل کی ہے۔ آپ کے حلقۂ احباب میں دانشور' ماہرین تعلیم' ڈاکٹر حضرات' صحافی اور وکلاء برادری کے افراد شامل تھے۔ آپ کینیڈا میں مسلم تنظیموں اور مختلف فورم کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔

آپ اپنی ذات میں ایک بزم تھے' ادارہ تھے اور روشن روشن چراغوں سے مزین ایک جہانِ انجمن تھے۔ آپ کے دِل میں پاکستان سے گہری محبت بسی ہوئی تھی۔ وہ پاکستان کے بہت بڑے شیدائی تھے۔ آپ کا سلوگن تھا۔ ''قرآن کے پیغام کو عالم نشرح کرو' قرآن ہے تو پاکستان ہے' پاکستان کو بنجر کرنے کا عالمی منصوبہ مومن کی فراست سے سمجھ''۔

آپ نے 102 برس کی عمر میں وفات پائی' آپ بزم کراچی کے تاحیات رکن تھے۔ وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود بزم کی سرپرستی فرماتے رہے۔ طویل سفر طے کرکے لاہور میں کنونشن کے اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے۔ ان کی رحلت تحریک کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔ ان کے خاندان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ایسی ہیرے جیسی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ تحریک کے رفقاء ان کے خاندان اور بالخصوص ان کی اہلیہ محترمہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

آہ' بنجر پاکستان میں اِک قندیل ربانی اور بجھی

☆.....☆.....☆

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صد سالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صد سالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔

پتہ / رابطہ

(1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

Surah Al-Muzammil (الْمُزَّمِّلُ) – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 17

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends! Today is January 27, 1984 and today's lecture starts with – in a way – from Surah Al-Muzammil (الْمُزَّمِّلُ). (Consider the previous lecture as providing the backdrop).

Revolution vs. Revolution

I found that the facts which came up in the last few lectures created unease in people's minds. This is a good sign – at least some ice broke. Friends kept coming to me one after another and kept on repeating the same question. The question was: The revolution that the Prophet (PBUH) brought through the Quran was indeed very astonishing. But, later, the inverted revolution that came after it was even more astonishing. The question, then, is: How did it happen? This is indeed an extremely important question. Take for example that the Prophet (PBUH) was told "قُمْ": Arise O Messenger! And carry the flag of this great revolution! Proclaim to the World: This is the greatest revolution it has ever seen! This revolution was so huge that it ended the repressive kingships, stranglehold of capitalistic systems, and the magical spell of religious priesthoods. Humanity was released from this triple bondage and tasted true freedom. After this astonishing revolution by the Prophet (PBUH), which wiped out these enemies of humanity, how ironic that these same enemies returned with a vengeance, more vitalized with new energy than ever before – paradoxically anchoring within the same Ummah that had wiped them out in the first place? *How* did it happen?

How did it happen? What was the basic reason?

This is indeed shocking. This was not the case during the Umayyad rule (661-750) because although the system was based on hereditary kingship during this period,

there was no other book with the Arabs except the Quran. This was purely an Arab kingship. But after this, during the Abbasid period (750-1258), this was not the case. Neither the Arab culture nor the Quran remained during this period. Abbasids' kingship and their power were at the mercy of Persians. The Persians controlled all aspects of Abbasid rule and society. Allama Iqbal (1877-1938) differentiates this by the terms *Arabi* and *Ajami* Islam. Iqbal says that the start of *Ajami* Islam began in this period. And this *Ajami* Islam brought with it its leprotic twins capitalism and priesthood. In the presence of the Quran, what to say of finding official authority for any of these things in the Quran, they could not even find any reason for their justification. Kingship, capitalism and priesthood cannot, ever, be validated or justified as long as the Quran exists, and we know that Allah Himself has undertaken the protection of the Quran. Therefore, there was no way they could change a single word in it. So, what did they do? They changed the meaning of the Quran.

If you cannot change the Quran, change its meaning

They devised a scheme: Let the words of the Quran be there but change the meaning of the entire Quran. Embedded within the Quran is the life of the Prophet (PBUH). The Quran is the living example of the revolution created by the Prophet (PBUH). If his path, his life, his true Sunnah remained in front of the people, then this inverted revolution could never have happened. Since Allah has preserved the main aspects of the Prophet's life in the Quran; so, the real life and the true Sunnah of the Prophet (PBUH) could be compiled *only* through the Quran. The book "*Meraj-e-Insaaniyyat*" that I wrote has this style. At the top is the verse of the Quran and underneath come the details from the life of the Prophet (PBUH). This is the correct way to compile the *Seerah* of the Prophet (PBUH). As opposed to this is the approach of compiling the life of the Prophet (PBUH) based on self-compiled voluntary oral narrations which turned his *Seerah* upside down. Let me clarify one point, dear friends, that what I am saying is meant mainly for the hearing and understanding of future historians, because today's environment is not conducive and people are not willing to listen, let alone accept it. So, I am presenting this discussion for your information only.

A personal plea

Dear friends! It is our good fortune that we have the means to record whatever I am presenting. So, here is my plea to a future historian: If the environment becomes favorable to the Quran in the future then whatever I am presenting today would serve as a milestone in your Quranic journey. And you would then find out that there was someone who mentioned these things before and, hopefully, you would be able to move this Quranic message further because, as it is, it is extremely difficult today. So, what I am presenting today is not only for you my dear friends, but it is also for the future historian. Iqbal (1877-1938) also told that he is a poet of tomorrow. It so happens that the environment has not become conducive to the pure Quranic message until now. In fact, during the period of Iqbal the religious extremism was not as extreme as it is today. Today the extremism of religious priesthood has reached a particularly high level and the overall human condition has far regressed. Iqbal rightly said:

If any sincere and obedient servant-slave awakens from his deep daydream;

Then the magical grip and wizardry spell of the ruler-master puts him to sleep.

The last century was a good fortune for us. A person of Sir Syed's (1817-1898) caliber was born in that century. He tried to break the magical grip of priesthood and status-quo of the traditionalists. He tried very hard to remove the darkness spread by them with the light of the Quran, and he succeeded to a large extent. The Quranic light started to shine and thunder in priesthood's dark clouds spread over more than thousand years. After this the great thinker of Islam Iqbal (1877-1938) came along and broke the *Ajami* spell on Islam. Then Quad-i-Azam (1876-1948) came along, who further advanced the cause of the Quran. He talked about the Quran and the Quran only. After this, I feel a little hesitant mentioning it, but, my own name comes along. I also tried to advance the cause of the Quran. I have now spent 50 years in this cause. But the opposition to this pure Quranic message has acquired so much strength and intensity that it is difficult to even *talk* about its revolutionary message now. But, as I just said, it is a blessing that we are able to protect this by recording it on tape.

The Quranic system became victim of the Persian (*Ajami*) conspiracy

As I was saying a minute ago: What happened? This *Ajami* conspiracy, which was in fact Persian conspiracy, gathered full steam during the Abbasid period (750-1258). The Persians had been defeated by the Arabs. They were not in a position to take on the Arabs. And they knew that all this new strength acquired by the Arabs was due to the Quran. So, in order to avenge themselves they had to take their entire revenge against the Quran. The question then was how to take this revenge. The answer: Make sure (1) that the Quran becomes completely ineffective in the life of Muslims; 2) that the Quran's meaning no longer remains the true meaning of the Quran; and (3) that the Prophet's life no longer reflects the Quran. For historians the point especially worth pondering is that before this Abbasid period there were no books of hadith among Muslims. There is one compilation called Mu'atta of Imam Malik. This just concerns the life of the companions in Medina; and Imam Malik used to redact many narrations every year from this book. There are at most 300-500 narrations in this book.

How were the books of hadith compiled?

Dear friends! All the books of hadith that were compiled later, i.e. during the Abbasid period, were based on chains of reporters. Each of these later compilers came up with up to six hundred thousand hadith. And if one counts their entire compilation then the count goes up to one million. From these they selected, on their own, thousands of hadith and compiled their books. Among these compilers there are six that were (and still are) considered most truthful and authentic. Among these six there are two – Bukhari and Muslim – that are further considered as the most true (*Sahihayn*). It is strange that all the six compilers were Persians. That is, there wasn't a single Arab who compiled any book of hadith. Thus, the Sunnah of the Prophet is presented to us based on these Persian compilations of hadith books.

The Prophet's busy program

You would be surprised at this that the Quran has said: قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا (73:2) – Because:

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (73:7) – O Messenger! You have so many programs in the day that you do not have spare time for anything else. Therefore, it is necessary for you to devote time in the night to think, review, and plan for the next day's activities. And don't ask Muslims how important it was for the Prophet (PBUH) to prepare, educate, and train the companions for the great mission assigned to him by the Quran? Ask the non-Muslim orientalists who have recorded that they wonder at the power of the Prophet (PBUH) and his companions that within a few years they not only overturned the Persian and Roman empires but they removed the roots of their civilizations and cultures as well. They could not comprehend how one individual arose from the land of Arabia and accomplished a revolution on such a grand scale that human history cannot produce an example like it. The world's entire history – not just Roman and Persian – cannot produce an example of such a grand revolution on such a grand scale in such a short time and with such meager resources! Historians grind their teeth in awe!! Dear friends! This is the first thing to note: history has recorded with awe and amazement the revolution effected by the Prophet and his companions.

قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (73:2) –which means O Prophet it is alright that you are extremely busy during the day so that you have no spare time to think and plan for the next day and to focus on long term planning for future course of action. Think about it my dear friends! How important it is to review whatever has been accomplished; to prepare the agenda for the next program of action; to educate and train companions; to explain new points and assign them new tasks. This is an extremely challenging and difficult program requiring vision, thought and action. This is a full time job for the Prophet (PBUH) requiring his full attention all the time. I will mention shortly how the Quran has mentioned at other places this great mindboggling amazing revolution and what it required to achieve it. This is the reason Allah told the Prophet (PBUH): إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (73:7) – the next day's agenda is long. Therefore, you are going to be extremely busy in the day, working hard all day. But, among the Muslims, a wrong concept has been perpetuated that while the world was sleeping the Prophet was praying *Nafl* prayer all night; and his feet used to get swollen. This then became

the "Sunnah" of the Prophet (PBUH) and the traditional meaning of the verse قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (73:2). This has thus become *the* established practice. Whatever priesthood wanted; whatever Mulukiyah (kings) wanted; whatever capitalists wanted—all these things were inserted in the Sunnah of the Prophet (PBUH).

Quran's first commentary and Islam's first history through narrations

These narrations were compiled by Persians. The first compiler was from Tabaristan and his name was Tabari. The second is Bukhari from Bukhara. The third is Muslim from Nishapour…. Anyway, I was talking about Tabari. He compiled the first commentary of the Quran and everything he wrote, Tabari referenced it with a hadith attributed to the Prophet (PBUH). Now, if he wrote down that the Prophet (PBUH) has explained a certain verse of the Quran then who can dare to deny it or contradict this? Tabari thus put the stamp of the Prophet (PBUH) on *his* commentary and interpretation of the entire Quran. Then he also compiled a book of history based on the same oral narrations and reports. The books of hadith written by Bukhari and Muslim follow the same pattern.

This is the way the Quran's first commentary, Islam's first history, collections of the first books of hadith came into being: they were all compiled by *Ajamis* (i.e. non-Arab speaking individuals—the Persians). So, my dear friends! Is it possible then that the true picture of that great revolution that occurred at the hands of the Prophet (PBUH) and his companions, in which neither kingship, nor capitalism nor priesthood could survive– would emerge? The fact is *that* picture could never come out this way. And these Persians cloaked this entire literature in sacred authority so much so that *this* has been presented and accepted as Islam for more than thousand years; nay, *this* has become Islam. Even today, according to these books unlimited ownership of wealth is allowed and Islamic fatwas are issued in favor of having slaves and concubines. Those kings (in whose period this so-called sacred literature was compiled) used to have three thousand concubines. And don't even ask about their hoards of gold and silver. They had hereditary kingships. These kings were called "God's shadow" on earth. All this was made possible by religious sanctions by

priesthood.

My dear friends! This is how the tafsirs (commentaries) of the Quran and the Sunnah of the Prophet (PBUH) came into being and a new Islam was created on their basis. And all these have continued until today. Malukiyyah (kingship) does not let anyone talk against it. What you call the laws of Fiqh are based on the above-mentioned compilations of hadith and history and these laws of Fiqh enforce this version of Islam developed under the kings. The kings declared these Fiqh laws immortal and unchangeable so that these man-made Fiqh laws could be enforced on the Muslim Ummah forever.

I do not want to denigrate anyone

Dear friends! I want to mention that I do not want to denigrate all these compilers. One has to respect them as they are our past scholars. Therefore, my aim is not to criticize or denigrate them but what I have mentioned above are events of history and are historically attributed to them. Whether or not they narrated them is not known for sure. There were no printing presses at the time where these books were printed. Fiqh Hanafi which is so famous is based on the book by Imam Abu Hanifa (699-767) who, many now claim, did not compile any book of Fiqh. If that is the case, then where did all these Hanafis come from? We do not know how responsible all these past Imams were for this situation facing the Muslim Ummah. But all these books are attributed to them anyway. So, we have to accept these books – Bukhari, Muslim, Fiqh Hanafi etc. – as if these are from the Imams they are attributed to. Whatever is there and whoever are responsible for them, the bottom line is that these are there. We are not concerned with personalities but with the authority that is presented to us. Whatever is presented to us in their name can be tested using the Quran, because the Quran is there.

The real authority, the real touchstone – only and *only* the Quran

So, at the very least, test all these books of all these past Imams on the touchstone of the Quran. Whatever accords with the Quran, accept it as true. And whatever is

against the Quran, assume that it was wrongly attributed to the Prophet (PBUH), so reject it but maintain the sanctity of those past Imams; and do not raise your voice against them. Anyway, my dear friends! In summary, *thus* were compiled the commentaries of the Quran and the Sunnah of the Prophet (PBUH)—untouchable and beyond criticism—to the extent that we are unwilling to study them in the true light of the Quran...

The truth behind the *Tasbih* (rosary)

As I mentioned before, the Quran said: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (73:2). And then it said: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (73:7) – the next day's agenda is long. The meaning is clear. The day will be spent to carry out this long agenda. But we Muslims converted سَبْحًا طَوِيْلًا into long rosary. Yes, this word "Tasbih (تسبیح)" came from Iran, and then it turned into rosary consisting of beads. Leave aside Islam and Muslims, even the Arabs were unfamiliar with beaded rosary. In fact, this came from Buddhists. From there it came into Christianity. From there by way of Syria it came to Muslims. So, now, wherever the word سَبْحًا has come in the Quran it was taken as beaded rosary "Tasbih (تسبیح)" and Muslims were told to recite all day some "sacred words" of the Quran using this Tasbih; and, in the night, pray *Nafl* all night. An important verse of Surah Bani Israel that is commonly repeated is this: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (17:78). Dear friends! I will digress from my topic if I start explaining this verse. What a great program was given to the Prophet (PBUH)! But I will say that this اَقِمِ الصَّلٰوةَ does not just mean prayer only. This is an entire system in which every individual obeys the laws of Allah. To follow behind Allah – this is what it means. People do not pay attention on the word قیام – which means to establish a system.

To establish Salaat (اَقِمِ الصَّلٰوةَ) *was* to establish the *system* of Salaat

Dear friends! As I mentioned it last time we do not say even today: "I am going to establish *Namaaz* or I have come after establishing *Namaaz*." For the sake of writing people write that "establish prayer." But Salaat was to establish a system. And this was from Sunrise to the start of darkness of night: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ (17:78). Those who know little Arabic know that this is a whole day's program; that it

requires constant work. And the verse continues: وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (17:78). الفَجْر is the time before Sunrise. This time is very peaceful and conducive for focused thinking and pondering on the Quran. This is a time when the meaning of the Quran comes out openly and clearly. So, the Quran is directing that be engaged in your duties and work all day long; and also ever be mindful of focused thinking in the Quran in the wee hours of the morning as this time is very helpful for concentrated thinking. And the Quran further tells the Prophet (PBUH): وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ (17:79). In beginning period of the establishment of Salaat, as Surah Al-Muzammil says, companions were needed. So, here in this verse (17:79) it is said: O Prophet (PBUH)! When you are done discussing and strategizing in the early night with your companions and after they have left and you have gone to bed, then again at late hours in the night wake up and give your thoughts about future plans and agendas.

Tahajjud (تَهَجَّدْ) means to wake up in the late hours of the night to think and to ponder. But with us this has turned into the prayer of *Tahajjud* (تَهَجَّدْ). And, all the arguments are about the number of raka's. Why this waking up late in the night for the Prophet (PBUH) was, has disappeared from the Muslims' radar and sight? To be busy all day with work; continuing discussions until well into the night with companions; then waking up late into the night to ponder deeply on the issues at hand and to make future plans – this was meant by *Tahajjud* (تَهَجَّدْ) and this was for the Prophet (PBUH), the leader of the revolutionary message of Islam. And "*Nafl*" means the thing which is done voluntarily with one's own volition. This *Tahajjud* (تَهَجَّدْ) is not required for others. This is for you O Prophet (PBUH). Because: قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (17:78) – if thinking and pondering is done in the Quran at this peaceful and serene time then the meaning and exegesis of the Quran springs out clearly. Allah told the Prophet (PBUH) to do this and be steadfast and continue to act on your program and keep moving forward. If you continue on this path then: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (17:79) – Very soon Allah will raise your status, and your esteem will reach the entire world. Here it is clear that Allah is talking about the Prophet's dignity and respect and the position of reverence that he will occupy in the world. But we gave the meaning to this that no one's Na'at (veneration) is recited/sung more that the Prophet's. Alright,

move on! The Prophet's appreciation is done!! The real program was: وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (17:80) – O my Sustainer! Cause me to enter [upon whatever I may do] in a manner true and sincere, and cause me to leave [it] in a manner true and sincere. No other interest should enter my heart. And: وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (17:80) – and grant me, out of Thy grace, sustaining strength so that I become successful in my mission!

Absence of light *is* the existence of darkness

After this Allah says to the Prophet (PBUH): وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (17:81) – And declare: "The truth has now come [to light], and falsehood has withered away: for, behold, all falsehood is bound to wither away!" Dear friends! Do you think this could be achieved by praying تَہَجَّدْ (*Tahajjud*)? Darkness cannot remain once light comes. Darkness (i.e. falsehood) has no existence of its own. It is only there as long as there is no light (i.e., truth). Dear friends! Please note from where this verse (17:81) has come? Falsehood has no legs to stand upon. Falsehood exists until the truth comes and then falsehood disappears just as darkness disappears once light appears.

The fight between Ahlul-Fiqh and Ahlul-Hadith

You can see that the Sunnah of the Prophet (PBUH) could be complied in great elegance using the Quran only: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا (76:23) – VERILY, [O believer,] it is We who have bestowed from on high this Qur'an upon thee, step by step - truly a bestowal from on high! And the Prophet is being told: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (76:24) – O Prophet (PBUH)! Remain very steadfast for Allah's order and governance. This was the program for which the Prophet (PBUH) was told: قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (73:2). But, instead, we take for granted that it means the Prophet (PBUH) was praying *Nafl* all night: فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ (17:79). Consequently, the arguments started about how many *Raka'as* there are in the prayer of تَہَجَّدْ (*Tahajjud*)? Is the *Nafl* (نفل) prayer prayed before or after the *Witr* (وتر) prayer? And Ahlul-Fiqh and Ahul-Hadith started fighting with each other about whether or not it is permitted to pray *Witr* (وتر) with 'Isha prayer; and how many *Raka'as* are there in *Witr* (وتر) prayer – one or three?

And should it be prayed after تَہَجَّدْ (*Tahajjud*)? These are the huge problems with us and for thousands of years this Ummah is busy with them with no end in sight. That is, the real program got completely lost in these arguments and these extraneous things took its place and became so important that books after books have been written about them. So, how could that original program come forward? Because these extraneous (*Baatil*) falsehoods will disappear if that program ever came out in front – وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط (17:81) – so, they did not allow the truth to come out as they knew that falsehood will vanish if truth ever came out. That is why they continued generating argument after argument about trifling and useless issues.

Instruction to the Prophet (PBUH) to remain steadfast

Dear friends! The task of establishing Allah's governance was entrusted to the Prophet (PBUH) and how difficult, challenging, and backbreaking a task it was. Allah then instructed the Prophet to remain steadfast, and unwavering and to keep persevering along this path. The Quran says: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (76:24) – Do not compromise with them; do not accept anything from them; be resolute on your stand. And: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (76:25) – bear in mind thy Sustainer's attributes (values) at morning and evening. Dear friends! We, also, use the phrase "morning and evening" to mean all the time. Here it is being said to the Prophet (PBUH) to keep Allah's laws, at all times, in front of him. But we have decided to fulfill this by reciting Allah's names in mosques after 'Isha and Fajr prayers. And when the Quran says: وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ – then we have taken this to mean to do *sijdah* (السجدة) in the night. Then came the issue: how many rak'as should be in 'Isha prayer? Is Witr (وتر) included in this or not? These issues lead to long fights and arguments. Then the Quran says: فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا (76:26). Here again سَبِّحْهُ came and this was taken to mean: recite Allah's names (i.e., do Zikr) using beads of long rosaries (*Tasbih*) in the night. My dear friends! That is how the meaning of the entire Quran was compiled. This is how *Sunnah* of the Prophet (PBUH) was compiled. This is how the laws of *Fiqh* were compiled.

Rule of Mulukiyah (kings) in Muslim countries

The rule of Mulukiyah is continuing until today among Muslims. The democracies of Western nations at least changed the face of that Mulukiyah. But even today that raw Mulukiyah is still operating in Muslim countries. In other Muslim countries where this is not the case, the issues (mentioned above) are still there; one cannot criticize the type of Sunnah of the Prophet (PBUH) that has been compiled by the past Imams (illustrated above); and one cannot discuss any issues in light of the Quran even in these countries.

The issue of slaves and concubines

I had mentioned in a previous lecture that there was an argument about slaves and concubines between Maulana Maududi and Maulana Aslam Jairajpuri. Maulana Aslam Jairajpuri insisted that based on Quranic evidence slaves and concubines are not allowed in Islam. Maulana Maududi had no answer for this. Then, ultimately, he said: "His (Maulana Jairajpuri's) mistake is that he is proving this through the Quran only." And then Maulana Maududi used some derogatory words against Maulana Jairajpuri: That he has lost his mind; that he is crazy etc. What was Maulana Jairajpuri's crime? His "crime" was that he was proving through the Quran that slavery is not allowed in Islam. The question then is: Where did the sanction of slavery in Islam come from? Obviously it came from the narrations, from Tabari's commentary, from the hadith, and from within the palaces of Abbasids. Islam became this (May Allah protect). Let the Quran continue to proclaim that slavery is not allowed but Maududi Sahib says that it is a fundamental mistake to get the proof for this from the Quran only; that those who try to do this are crazy and mad. Now you can very well imagine, when the Mulukiyah is in power, what the consequences would be for those raising their voice in defense of the Quran.

But the voice of the Quran has *been* heard in history

Dear friends! In the case of Maulana Maududi and Maulana Jairajpuri the antagonism was only limited to abusive language. But who knows what the

consequences were for those who raised the voice of the Quran during the times of raw Mulukiyah. Even in those times we find from history that Quran's voice was being raised. But not a single page of those writings survives today because Mulukiyah and priesthood made sure that these writings were completely destroyed. The names of those who raised the voice of the Quran (e.g. those labeled Mu'tazilah المعتزلة) would never have been known were it not for the fact that they were condemned or maligned with derogatory remarks the same way as they do today. The same thing is happening today: they say: look at Parwez Sahib and Aslam Jairajpuri! They are bringing proof against slavery from the Quran. Similar condemnation brought out the names of those who defended the voice of the Quran in the past. So this is how the names of those who raised their voices in defense of the Quran are known to us. Otherwise, any mention of such people would have been completely removed from history.

Even tomorrow the key resource for Sunnah will *be* the Quran

My dear friends! There is only one way to save ourselves. If at any time, any Muslim nation, or any individual wants to present the true picture of Islam and the true Sunnah, the Quran must be its sole authority and proof. Whatever is according to the Quran is right and whatever is against it is wrong. Only then will formulation of the Sunnah of the Prophet (PBUH) and the Tafsir of the Quran be accurate and truthful; only then will the Quran reassert itself in real life of the Muslim Ummah. Otherwise, everything in the name of Islam will remain that was formulated during kings' (Mulukiyah) period. Dear friends! I have mentioned it before and will mention it again that whenever even a little bit of the Quran starts coming out in front of the Muslim "*Then the magical grip and wizardry spell of the ruler-master puts him to sleep.*" When this period passes away and the period of the Quran comes only then we will understand what these verses – يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ; قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ; نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ; اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (73:1-4) – mean.

The Quranic meaning of وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ

Dear friends! What a great thing this وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ is! In another verse Allah says:

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (25:32) – We have so arranged its component parts that they form one perfectly balanced and consistent whole. What is *Tarteel* (تَرْتِيل)? Any program, or formula, or system will only be successful if there is consistency, harmony, and proper order in its parts. For example, the clock works properly and gives the correct time only if all its parts work systematically and in perfect harmony. This is called *Tarteel* (تَرْتِيل). If you open the clock and keep its parts separately on a table the clock will not work. The same goes for medical formulations and prescriptions. The ingredients must have the proper proportions and must be put together in the proper order while taking external factors such as temperature, humidity, pressure, etc. into account. Then only the medicine will work. If you take the ingredients separately – no matter how good they may be – the medicine will not work. Thus clock will give correct time or the medicine will work properly only if there is perfect harmony, order and balance among different components. This is called *Tarteel* (تَرْتِيل). The same applies to human systems and programs; there is a particular discipline and order to every human program. If actions are in accord with the prescribed order and discipline, then the expected result would be produced. This Arabic word تَرْتِيل is used for perfect order and completely balanced discipline. This word is used to describe a beautiful (pearl) necklace. It is also used to describe a set of teeth perfectly laid out in the mouth in a well-balanced way that looks very beautiful. In what a precise way the Arabic language explains the meanings of its words! تَرْتِيل —Scattered pearls threaded in perfect order forming a necklace creating an object of beauty and wonder; white pearly teeth arranged to perfection, so beautiful to look at. Imagine if Allah had placed the gum in front and the teeth backward. How could one eat, let alone appreciate the beauty. Allah has designed the front and the back teeth perfectly for chewing food. And then on top of that, He made them so beautiful to look at! How beautifully these Arab people explain the meaning of تَرْتِيل – by superb examples and visual imagery!

The meaning of the Quran like threaded pearls

Allah has said: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (73:4) – We have created a special order in the Quran. He Himself has said that this order will get established (25:32). Allah explains the

meaning of the Quran by threading its verses through *Tasreef* (تَصْرِیف). This is done by stringing the pearls (of the verses on a certain topic) thus creating a beautiful necklace of Quranic exposition. Dear friends! This is called concordance or classification. This I am saying based on my own personal experience. In fact, my whole life is spent on this – and my books *Mafhumul-Quran* and *Tabwibul-Quran* are the result of this approach of understanding the Quran. In *Tabwibul-Quran*, all verses of the Quran have been classified topic-wise. Through this approach of concordance and classification (of verses under each individual topic) you will see how the meaning of the Quran springs out succinctly and clearly.

There exists step-wise program and order for establishing a Quranic system

Dear friends! We are only at the stage of words and literature: We are looking at the order that Allah created in the Quran and its meaning. For the purpose of implementing the Quranic system of government the Quran itself has laid out all the steps in perfect order: How to begin it; what would be the initial program; and how to move forward. My dear friends! All these steps are given in the Quran. All the answers of when, how, and why of a practical step can be found in the Quran. The life of the Prophet (PBUH) and his companions in Mecca and Medina were not historical accidents. This was based on the program of Quranic order. Everything what Prophet (PBUH) did happened according to this order. And the same order will have to be followed whenever this Quranic system is to be implemented. Whenever the Quranic-clock will be built the same step and order among its components will have to be followed.

The Quran is a practical program for life and its travails

Now let us come to the topic of this lecture. The Quran says: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (73:1) – O! You who is busy in forming a synergistic group of companions! I hope you understood the meaning of الْمُزَّمِّلُ which I explained in the previous lecture. The Prophet (PBUH) was told that you are extremely busy working hard in the day; you get tired; you remain awake in the night – this is also necessary. But do not remain awake in the night for a long time; this will affect your health and your

companions' as they are also with you in the night: (73:1-4) اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ; قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ; نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا – For this purpose you have to be awake in the night, but not all night; half of the night if need be – sometimes less and sometimes more. But what is all this for? The Quran says: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (73:4) – to create order and discipline in the program that is in front of you. That is why you need to be awake along with your companions to chart out the program for the next day in the light of the Quran; to see what guidance the Quran is giving for your program at hand. My dear friends! The Quran does not just highlight problems but it also gives a practical program of action for it. It provides order and discipline to carry out the program; it provides a well-balanced and perfect approach to move forward. This is why it says: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (73:4) – We have created a unique order in the Quran and therefore you should move forward by using the Quranic order and discipline (25:32). This is necessary because: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (73:4) – this program that is assigned to you is extremely difficult. It is very daunting, extremely challenging, and it demands great courage. This is a backbreaking revolutionary program.

To complete this program was a great burden on the Prophet (PBUH)

In Surah اَلَمْ نَشْرَحْ it is mentioned to the Prophet (PBUH) that the initial period of this program was backbreaking for you due to this difficult goal; due to your solitary journey; and due to the burden of this extremely overwhelming responsibility. But Allah helped you with friends who became your group of highly committed companions in this journey; and this way your heavy burden became light with their help: (94:2-3) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ; الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ – He lifted from you the burden that had weighed so heavily on your back. Allah slowly helped you create a party of your companions and your heavy burden became light. O Prophet (PBUH)! This is due to Grace and Blessing of Allah: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (73:5) – This was, indeed, a great burden weighing heavily on your back. To carry out this program requires non-stop continuous effort and struggle but you need to take some rest as well. You need to sleep a little although you are very busy discussing plans with your companions for carrying out this program with proper planning; and with correct order and right discipline. This is a daunting and extremely challenging task and requires great

fortitude and perseverance.

The explanation of قَوْلًا ثَقِيْلًا through narrations

Dear friends! Now let us come to our sacred book of Bukhari. The Quran said: قَوْلًا ثَقِيْلًا (73:5) – The burden is great. It is given in Bukhari that when Allah's revelation used to come to the Prophet (PBUH) then his body weight used to go up significantly; and his companions used to feel it whenever the Prophet (PBUH) was resting on their lap. So much was the weight that they felt as if the bones in their laps would crack. And, my friends! *This* became the interpretation of قَوْلًا ثَقِيْلًا through hadith! Here, in connection with this verse, a long narration has been reported in Bukhari regarding the arrival of revelation to the Prophet (PBUH) although it is a fact that no one other than a Prophet and Messenger can understand the essence and form of revelation. But in Bukhari even the internal condition of revelation and its impact on the Prophet (PBUH) are mentioned: Sometimes the ringing of bell used to come to him; sometimes he used have excessive perspiration; the weight of the revelation was such that even the bone of a companion used to crack; sometimes strange voice used to come to the Prophet (PBUH). Dear friends! All this has been reported in Bukhari Sharif. How Mr. Bukhari came to know of all these things two to three hundred years after the Prophet (PBUH)? No one seems to be interested to find out.

Revelation came down on Prophet's heart

Dear friends! Allah has mentioned in the Quran that الرُّوحُ الأمِينُ (*Roohul Amin*) used to bring His revelation down directly on the heart of Muhammad (PBUH). Allah is the sender of revelation and He is sending it through الرُّوحُ الأمِينُ (*Roohul Amin*) who does not do anything except to deliver it directly on the heart of the Prophet (PBUH). This is the same revelation about which we are told, in the hadith book of Bukhari, that bells used to ring and the Prophet's weight used to go up so much that, if he was resting on a companion's lap, the companions' bones used to crack! قَوْلًا ثَقِيْلًا (73:5) has been explained in this way in Tafseer. But the Quran says: (73:5-6) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا – The Quran itself asks what this waking up in the night is for? Now, if it was just for praying *Nafl* all night then how do we explain the next verse: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا

نَاشِئَةَ الَّيْلِ (73:6).

The meaning of نَاشِئَةَ

Dear friends! This نَاشِئَةَ means to rise up in a way as a plant rises up. This is not just rising up in the sense of getting up out of bed but it means to get up and get nourishment and development at the same time. These are the last Surahs and we need to stop at every word—because the essence of the entire Quran has been put in concentrated form in these Surahs. And also because the Prophet's program was entering in it last throes. You already know that when we reached the last chapters of the Quran we found this miracle of the Quran that there are small verses consisting of even two words or some verses consisting of just one word; but there is a world of meaning contained in every word of these last verses of the Quran. For example, take this word نَاشِئَةَ whose root is: ن - ش - و which means to rise; but there are many words in Arabic for rising. But in this root ن - ش - و there is a meaning of nourishment and development in the act of rising, i.e., to rise in the way a plant rises; the way the shoot comes out of the seed. This is not just rising but there is nourishment and development at the same time. That is the reason this word نَاشِئَةَ comes to mean development. Whatever it is being said in this verse (73:6) about waking up in the night then the question is: what is the purpose of this waking up in the night? My dear friends! The purpose of this waking up in the night was for development; for rising; for progress; for moving forward to achieve the final goal of a program.

The meaning of وَطْأً

All the things mentioned above are for progressive development of capabilities and for moving forward along the path of the final goal assigned to the Prophet (PBUH). To wake up in the night for this kind of development is اَشَدُّ وَطْأً (73:6). The root of وَطْأً is: و - ط - ا which means to harmonize two things in perfect order; to have harmony between speech and action. It is said here in this verse that waking up in the silence and peace of the night and thinking about this program and ponder on how best to implement it; all this helps develop latent potential required for the success of the program. In verse (73:6) there are three parts: (i) نَاشِئَةَ الَّيْلِ – to wake up in the night for

nourishment and development; (ii) اَشَدُّ وَطْاً – to subdue unrestrained emotions; and (iii) وَّاَقْوَمُ قِيْلًا – to solidify the program by pondering, thinking, and reviewing in the night; to see how to advance this program step by step to next stage towards its final goal. It is said here that this way and by this process of analysis, review, and pondering to advance this program will lead to practically showing the value and meaning of the Quran; and to keep continuing this process so that the Quran gets solidified in real life in human society as a collective guiding force. Now here قِيْلًا means "talk" or "speak". We also use "talk" or "speak" in many different ways. Depending on the context we can derive its true meaning. For example, we say: Talk the walk; speak the truth; speak solidly; or he has shallow speech; etc. So, here قِيْلًا means that the program that has been decided is very solid, very strong, very stable, and will produce the desired results. It means all these things. And the word اَقْوَمُ has the superlative degree in Arabic, meaning "highest level" of strength. So, being awake in night was for this purpose; not for praying *Nafl*. If human becomes busy praying *Nafl* then nothing of the aforementioned positive results will be possible. This is why the Quran has said to the Prophet (PBUH) that you need some sleep as well because: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (73:7) – You will be extremely busy in the day carrying out your duties and responsibilities while facing powerful crowds that are opposed to your mission.

The meaning of سَبْحًا

I had already explained the meaning of سَبْحًا: to strive with one's full capacity; to struggle with one's entire energy; to try with utmost effort. In verse (73:7) the Quran says that this program is such that you need to strive with all your energy; you need to continue to work nonstop to fulfill your mission; you need to maintain your struggle with steadfastness and fortitude. This is a huge program for the day and you will not have the time to think, to ponder, to review and to critique the program. For this you need to wake up late at night. But to Muslims now it has been rendered as: keep praying *Nafl* and keep moving your fingers on the beads of rosary while reciting (with tongue only, of course) sacred names of God in the night. And then very late at night pray تَهَجَّدْ (*Tahajjud*). The next verse is: (73:8) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا – In this

verse the meaning of وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا is: to be completely focused on one's task with full concentration and full energy; to withdraw from all kinds of distractions and wholeheartedly align one's life with Allah's mission and make it *the* center of attention. The word "*Hanif* " also means this.

The meaning of بتول

In the above verse (73:8) the meaning of تَبَتَّلْ is highly significant as given above. Also, the word بتول is used for names: بتول was the nickname of Prophet's daughter Fatima (R), the daughter who was focused, who was not distracted; and was very pious. This word means to have laser-like focus. The Prophet (PBUH) used to focus on his mission and used to fully concentrate his thoughts to plan and to carry out his program late at night.

The program for universal nourishment for all – from East to West

What kind of program was that which required so much focus and attention of our Prophet (PBUH)? That program was not local. It was a program that encompasses the whole world: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (73:9) – O Prophet (PBUH)! It is a universal program that is in front of you. It includes East as well as West. This program is stated right in the beginning of the Quran: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) – All the appreciation is due to Allah whose program is universal nourishment and development. This program is not to rule, not to gain power, not to build nations and empires, not to subdue and acquire other nations; but this program is given solely for the universal nourishment of all of humanity. When we say East and West we mean the entire world; it implies universal humanity. In that period the regions East and West of Arabia literally comprised the entire populated world. But the Quran has also used the term "Easts and Wests" implying that its message is Universal: Allam Iqbal also used this term of East and the West:

Do not feel disgusted with the East, nor be fearful of the West

Nature's signal to you is: Overcome every night of the World

The Quranic meaning of لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

This program of universal nourishment will spread to Easts and Wests. Remember! How will it spread? It will spread through لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (73:9). There is no authority in the Universe whose obedience is to be done, whose laws are to be followed, whose governance and rule is to be accepted except the One whose authority encompasses the entire Universe and there is no other authority except Him. This is the meaning of the word اِلٰهَ and in today's terminology that provides its meaning of: right to authority; right to rule; right of sovereignty. This is the essence of the Quran, this is the result of the Quranic teaching and education. That is, to spread this Quranic education to all the Easts and all the Wests; to implement the Quranic system of universal nourishment throughout the World; and where the one and only sovereign ruler and authority will be Allah; and where no human being will have any authority to rule over any other human being. And why? Because this universal government of Allah will extend over the entire globe and it will be solely for the universal nourishment and development of all humanity. *This* is the meaning of اِلٰهَ.

The interpretation (*Tafsir*) of the Quran *of* the period of kings

Now, after the period of *Khalifa Al-Raashidun*, the Quran was reinterpreted at the behest of kings. According to the Quran – لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ – the authority to rule and to govern belongs only to Allah. What king can ever tolerate the Quranic law "No human has the right to rule over other humans?" Consequently, this command of the Quran was wiped out and in its place a new interpretation was given to the verse. Allah's authority can no longer remain when kings' authority reigns supreme in a region. During the period of kings – and also under other forms of human rules – no one allows this meaning of اِلٰهَ. So, its meaning was changed to: No one is worthy of worship except God.

Government of Kings (and humans) but the worship of God

Thus kings, and human beings, awarded themselves with rulership and governance, and awarded to God the sole right to be worshipped. The meaning of معبود (Ma'bud)

(One whose obedience is to be adopted) became: He, who is the only one to be worshipped. And عبادۃ (*Ibadah*) which means obedience was changed to "worship". When they interpreted the words اِلٰہَ and معبود like this then the kings (and other humans) were absolved of all kinds of oppression and tyranny. The kingships (or Mulukiyah in general) consisted of two main branches: the kings who ruled over the nation and presided over the government; and the priests of different religious sects who ruled and strictly controlled religious ideology, rituals, issues of prayer, fasting, pilgrimage etc. These two then became the اِلٰہَ. This is why the Quran warned and forbade it: اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ (16:51) – Do not accept two اِلٰہَ. The Quran said that do not fear and worry that all those in authority will oppose you and will become your enemies if you accept this one single authority of Allah without any partnership. If they do then don't worry: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (73:9) – there is no اِلٰہَ (supreme authority) but Allah: take Him therefore for your Protector of Affairs. This Allah's protection is worthy of full trust and would never break. Have 100% trust in Him and keep moving forward and continue to strive hard along your path of establishing the program that has been assigned to you. Your revolutionary program is to establish the Sovereignty and Dominion of Allah by dismantling all non-Allah authority and power – so that humans owe their obedience to no other authority except to Allah's. So, continue in your mission with full and complete trust in the Divine laws.

Dear friends! The next verses that come after this are: وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ; وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (73:10-11). Allahu Akbar! It will take time to discuss and explain. We will take them up in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆